شمارہ نمبر ۳ | اکتوبر ر نومبر ۲۰۱۷ء

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا



- امام ابوحنیفہؒ امام ابن معینؒ کے نزدیک ثقہ ہیں زبیر علی زئی کے اعتراضات کا جواب
- وضو کے اختلافی مسائل پر تحقیقی مضامین
- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔
- امام ابراہیم نخعیؒ کی مرسل روایت جمہور کے نزدیک صحیح اور حجت ہے

ALIJMA FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن


بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ مسح الرقبة

مولانا نذیر الدین قاسمی

گردن کے مسح کے بارے میں اکثر غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گردن کے مسح کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ: صحیح و حسن احادیث میں سر اور کانوں کے مسح کا ذکر ہے، لیکن گردن کے مسح کا ذکر نہیں۔ (**ہدایۃ المسلمین: صفحہ ۱۵**) اور اسی طرح کی بات ابراہیم سیالکوٹی، عبد الرحمن العزیز، عبد الروف، داؤد ارشد وغیرہ نے کہی ہے۔(**صلاۃ النبی ﷺ: صفحہ ۱۹، صحیح نمازِ نبوی: صفحہ ۴۵، مسنون نماز: صفحہ ۴۶، حدیث اور اہل تقلید: جلد ۱: صفحہ ۲۳۷**)

الجواب:

گردن پر مسح کرنے کی معتبر احادیث ملاحظہ فرمایئے:

دلیل نمبر ۱:

امام ابو داودؒ (**م ۲۷۵ھ**) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا محمد بن عيسى، و مسدد، قالا: حدثنا عبد الوارث، عن ليث، عن طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح رأسه مرة واحدة حتى بلغ القذال - وهو أول القفا، وقال مسدد - مسح رأسه من مقدمه إلى مؤخره حتى أخرج يديه من تحت أذنيه

کعب بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ سر کا مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مسح کرتے ہوئے گدی تک پہنچ گئے۔

پھر حدیث کے راوی (غالباً امام ابو داودؒ) '**القذال**' کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ '**وهو أول القفا**' وہ گردن کے شروع کا حصہ ہے۔ یعنی گدی ہے۔ (**سنن ابی داوٗد: حدیث نمبر ۱۳۲**) اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ راوئ حدیث اپنی حدیث کا مطلب دوسروں سے زیادہ جانتا ہے۔ (**فتاویٰ البانیہ: صفحہ ۲۳۶**) شواہد اور متابع ہونے کی وجہ سے اس حدیث کی سند حسن ہے۔[21]

---

[21] امام ابو داودؒ کی توثیق گزر چکی، دوسری راوی محمد عیسیٰ سے مراد محمد بن عیسیٰ بن البغدادیؒ (**م ۲۲۴ھ**) ہیں، جو کہ ثقہ، حافظ اور فقیہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۲۱۰، الکاشف**) ان کے متابع میں امام مسددؒ (**م ۲۲۸ھ**) بھی ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۵۹۸**)، تیسرے راوی

اعتراض:

ابو صہیب داؤد ارشد صاحب کہتے ہیں کہ پھر یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے، جس میں راوی '**القذال**' کی تفسیر '**قفاء**' سے کرتا ہے، امام مسدد کی روایت میں '**بلغ القذال**' کی بجائے یہ الفاظ ہیں '**مسح رأسه من مقدمه إلى مؤخره**' یعنی نبی ﷺ نے مسح سر کے

عبد الوارث بن سعیدؒ (م ۱۸۰ھ) جو کہ صحیحین کے راوی ہیں، اور ثقہ، مضبوط ہیں۔ (**تقریب: رقم ۴۲۵۱**) باقی راویوں کی توثیق گزر چکی۔ دیکھئے **ص: ۷۰**

واضح رہے کہ لیث بن ابی سلیمؒ (م ۱۴۸ھ) کے بارے میں غیر مقلدین کا قولِ فیصل گزر چکا کہ ان کی روایت شواہد اور متابعات کی صورت میں مقبول ہوگی اور جرح مردود ہوگی۔ (**ص: ۷۱**) اور یہاں اس روایت میں بھی ان کے شواہد اور متابعات موجود ہیں، جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ پھر انہوں نے سماع کی صراحت بھی کر دی ہے، جیسا کہ معجم الکبیر للطبرانی میں موجود ہے۔ چناچہ امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا شيبان بن فروخ، ثنا أبو سلمة الكندي، ثنا ليث بن أبي سليم، حدثني طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده، : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا، يأخذ لكل واحدة ماء جديدا، وغسل وجهه ثلاثا، فلما مسح رأسه قال: «هكذا»، وأومأ بيده من مقدم رأسه حتى بلغ بهما إلى أسفل عنقه من قبل قفاه۔

اس روایت کے رواۃ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ:

(۱) امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) مشہور ثقہ، حافظ ہیں۔

(۲) ان کے استاد حافظ حسین بن اسحاق التستریؒ (م ۲۹۰ھ) بھی ثقہ حافظ ہیں۔ (**إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني**: صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱)،

(۳) شیبان بن فروخؒ (م ۲۳۶ھ) صحیح مسلم کے راوی اور صدوق ہیں۔ (**سیر اعلام: جلد ۱۱: صفحہ ۱۰۱**)،

(۴) البتہ ابو سلمہ الکندیؒ پر کلام ہے۔ مگر ارشاد الحق اثری صاحب ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ (اس روایت میں) مبارکپوری صاحب ابو اسحاق کو مختلط کہتے ہیں، لیکن طحاوی میں ابو اسحاق کا متابع موجود ہے، لہذا ابو اسحاق پر اعتراض فضول ہے۔ (**توضیح الکلام: صفحہ ۵۱۴-۵۱۵، طبع قدیم**)، الغرض جب اہل حدیث حضرات کے نزدیک ابو اسحاقؒ کا متابع ملنے کی وجہ سے ان پر اختلاط کا الزام باطل ہے، تو یہاں پر بھی ابو سلمہؒ کا متابع امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کی ایک روایت میں موجود ہیں اور اس میں بھی لیث بن ابی سلیمؒ نے سماع کی تصریح کی ہے۔ (**السنن الکبریٰ للبیہقی: جلد ۱: صفحہ ۹۹، حدیث نمبر ۲۷۷، ورجاله كلهم ثقات**)۔ لہذا اہل حدیثوں کے اصول کی روشنی میں یہاں پر بھی ابو سلمہ الکندیؒ پر جرح فضول اور بے کار ہے اور باقی راویوں کی تحقیق پہلے گذر چکی۔ الغرض ثابت ہوا کہ لیث بن ابی سلیمؒ نے یہ روایت طلحہ بن مصرفؒ سے سنی ہے۔

ابتدائی حصہ سے شروع کیا اور آخری حصہ تک لے گئے۔ الغرض اس روایت سے گردن کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ **(حدیث اور اہل تقلید :جلد ا:صفحہ ۲۴۱)**

الجواب:

اول تو جان لیں کہ **'القذال '** کی تفسیر **'قفاء'** سے راوی حدیث (غالباً امام ابو داؤدؒ جیسے فقیہ اور حافظ الحدیث) نے کی ہے، غیر مقلدین کا اصول ہے کہ راوی حدیث اپنی حدیث کے مطلب کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے۔ **(فتاویٰ البانیہ:صفحہ ۲۳۶)** لہذا ابوصہیب صاحب کا اس سے انکار مردود ہے۔

دوم یہ کہ ابوصہیب نے امام مسددؒ کے الفاظ میں خیانت کی، پورے الفاظ ملاحظہ فرمایئے: **'مسح رأسه من مقدمه إلى مؤخره حتى أخرج يديه من تحت أذنيه'** نبی ﷺ نے مسح سر کے ابتدائی حصہ سے اخیر تک کیا یہاں تک کہ (مسح کے بعد) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے نکالا۔ **(سنن ابی داؤد:حدیث نمبر ۱۳۲)** مسح کے بعد ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے نکالنا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے مسح کے ساتھ گدّی کا مسح بھی فرمایا۔

کیونکہ اگر گدی کا مسح مراد نہ لیا جائے، تو ہاتھ کو کانوں کے نیچے سے کیوں نکالا، پھر سر کے مسح کا طریقہ خود غیر مقلدین بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح کیا، دونوں ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ سے شروع کر کے گُدّی تک لے گئے، پھر پیچھے سے آگے اسی جگہ لے آئے، جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔ **(نمازِ نبوی:صفحہ ۵۲، مختصر صحیح نماز نبوی، از، زبیر علی زئی:صفحہ ۶)**

غور فرمایئے! سر کے مسح کے ختم پر دونوں ہاتھوں کو جس طرح آگے لے کر جاتے ہیں، اسی طرح پیچھے لے کر آتے ہیں، لیکن یہاں مسددؒ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے نکالا۔ یہ واضح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے ساتھ گردن کا بھی مسح فرمایا، لیکن چونکہ اہل حدیث حضرات کے مسلک کے خلاف تھا، اس لئے ابوصہیب صاحب نے اسے چھپالیا۔ (اللہ ان کی غلطی کو معاف فرمائے۔ آمین)

سوم یہ کہ سنن ابوداؤد ہی میں مسددؒ کی روایت کے ساتھ محمد بن عیسیٰ بن نجیح البغدادیؒ **(م ۲۲۴ھ)** کی روایت بھی ہے، جس میں **'بلغ القذال'** کے الفاظ آئے ہیں، لیکن اس کو موصوف نے ذکر تک نہیں کیا۔ الغرض ابوصہیب صاحب یہ کہنا کہ 'اس روایت سے گردن کا مسح ثابت نہیں ہوتا' باطل اور مردود ہے۔

اعتراض نمبر ۲:

غیر مقلدین کے شرف الحق عظیم آبادی صاحب کہتے ہیں کہ:

الحديث مع ضعفه لا يدل على استحباب مسح الرقبة لأن فيه مسح الرأس من مقدمه إلى مؤخر الرأس أو إلى مؤخر العنق على اختلاف الروايات وهذا ليس فيه كلام إنما الكلام في مسح الرقبة المعتاد بين الناس أنهم يمسحون الرقبة بظهور الأصابع بعد فراغهم عن مسح الرأس وهذه الكيفية لم تثبت۔

یہ حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ گردن کے مسح کے استدلال پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس میں تو یہ (بیان ہے کہ) سر کے مسح کو پہلے حصہ سے شروع کیا اور اخیر تک (ہاتھوں کو) لے گئے، یا سر کے آخری حصہ تک لے گئے، روایات کے مختلف الفاظ کے مطابق۔ اس میں کوئی نزع اور کلام نہیں، بلکہ عوام الناس میں متعارف گردن کے مسح میں کلام ہے، جو سر کے مسح کے الٹے ہاتھوں سے کیا جاتا ہے، اور یہ کیفیت ثابت نہیں ہے۔ **(عون المعبود)**

الجواب:

اول مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہے کہ:

حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث، حدثنا عبد الوارث، حدثنا ليث، عن طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده، أنه "رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح رأسه حتى بلغ القذال، وما يليه من مقدم العنق بمرة" قال القذال: السالفة العنق

حضرت کعب بن عمرؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے سر کا مسح کرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ مسح کرتے ہوئے گدی اور اس سے ملے ہوئے گردن کے اگلے حصہ پہنچ گئے۔ راویٔ حدیث (غالباً یہ امام احمد بن حنبلؒ ہے) '**القذال**' کے معنٰی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ '**السالفة العنق**' گلے کا پچھلا حصہ یعنی گدی۔ **(مسند احمد: حدیث نمبر ۱۵۹۵۱، واسنادہ حسن بالشواھد)** اور امام طبرانیؒ **(م۳۶۰ھ)** بھی فرماتے ہیں کہ:

حدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا شيبان بن فروخ، ثنا أبو سلمة الكندي، ثنا ليث بن أبي سليم، حدثني طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده،: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا، يأخذ لكل واحدة ماء جديدا، وغسل وجهه ثلاثا، فلما مسح رأسه قال: «هكذا»، وأومأ بيده من مقدم رأسه حتى بلغ بهما إلى أسفل عنقه من قبل قفاه۔

کعب بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، تو ۳ مرتبہ کلّی کی، ۳ مرتبہ ناک صاف کیا اور آپ ﷺ نے ہر ایک بار نیا پانی لیا اور آپ ﷺ نے ۳ مرتبہ چہرہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، اس طرح (ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا) کہ (آپ ﷺ نے) سر کے شروع

حصہ سے مسح کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ہاتھ مسح کرتے ہوئے گردن کے پچھلے حصہ (اور) گُدّی کے (آخری حصہ) سے پہلے تک پہنچ گئے۔ (**معجم الکبیر للطبرانی: جلد ۱۹: صفحہ ۱۸۰**، واسنادہ حسن بالشواھد)

ان دونوں روایتوں پر غور فرمایئے، کہ اس میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے گردن کے پچھلے حصہ تک مسح کیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث میں گردن پر مسح کا ثبوت ملتا ہے، لہذا اس کا انکار کرنا صاحب عون المعبود کا محض مسلکی تعصب ہے۔

دوم جہاں تک سر کے مسح کے بعد، گردن پر مسح کرنے کی بات ہے، تو:

امام ابو بشر الدولابی (**م ۳۱۰ھ**) کہتے ہیں کہ:

حدثنا إبراهيم بن يعقوب قال: ، ثنا سعيد بن سليمان قال: ، ثنا حفص بن غياث وإسماعيل بن زكريا ، عن ليث ، عن طلحة بن مصرف ، عن أبيه ، عن جده قال: «رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مسح برأسه ثم أمر بيديه هكذا على سالفته من خلفه۔

کعب بن عمروؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے سرِ مبارک کا مسح کیا، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی گردن کے پچھلے حصہ پر گزارا۔ (**الکنی والاسماء للدولابی: جلد ۱: صفحہ ۱۶۴، حدیث نمبر ۳۲۱**)[22]

اسی طرح امام بیہقیؒ (**م ۴۵۸ھ**) فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا أبو القاسم عبد الواحد بن محمد بن إسحاق بن النجار المقري بالكوفة ، أنا أبو القاسم جعفر بن محمد بن عمرو الأخمسي ، ثنا أبو حصين الوادعي ، ثنا يحيى الحماني ، ثنا حفص ، عن ليث ، عن طلحة ، عن أبيه ، عن جده "أنه أبصر النبي صلى الله عليه وسلم حين توضأ مسح رأسه وأذنيه وأمر يديه على قفاه"

---

[22] امام ابو بشر الدولابیؒ (**م ۳۱۰ھ**) جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ، حافظ ہیں۔ (**دوماہی الاجماع مجلہ: شمارہ نمبر ۲، صفحہ ۳، ۴**)، ان کے استاد ابراہیم بن یعقوب ابو اسحاق الجوزجانیؒ (**م ۲۵۹ھ**) ہیں، جو کہ ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۷۳**)، ان کے استاد سعید بن سلیمان ابو عثمان الواسطیؒ (**م ۲۲۵ھ**) جو صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۳۲۹**) اسماعیل بن زکریاؒ (**م ۱۹۴ھ**) بھی صحیحین کے معتبر راوی ہیں۔ (**اکمال تہذیب الکمال: جلد ۲: صفحہ ۱۷۱**)، اسی طرح حافظ حفص بن غیاثؒ (**م ۱۹۵ھ**) بھی ثقہ راوی ہیں۔ (**تقریب: رقم ۱۴۳۰**) باقی رواۃ کی تحقیق گزر چکی۔

حضرت کعب بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، (تو) آپ ﷺ نے اپنے سر اور اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا اور (پھر) اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی پر گزارا۔ (**السنن الکبریٰ للبیہقی: جلد ۱: صفحہ ۹۹: حدیث نمبر ۲۷۸**[23]**، تاریخ ابن ابی خیثمہ: جلد ۲: صفحہ ۷۰۹، حدیث نمبر ۲۹۳۹**) یہ روایت واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے سر کا مسح فرمایا، پھر کانوں کا اور پھر گردن کا مسح کیا۔[24]

اور ابو داوٗد کی روایت (بطریق مسدد) میں تو صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے نکالا ہے، یہ الفاظ بھی دلالت کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے گردن کا مسح فرمایا، کیونکہ اگر اس روایت سے گردن کا مسح نہیں، بلکہ صرف سر کا مسح ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب عون المعبود ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ہاتھوں کو سر کے اوپر سے واپس لانا چاہیے تھا۔ کیونکہ سر کے مسح میں جس طرح ہاتھوں کو سر کے شروع حصہ سے سر کے آخری حصہ تک لے جایا جاتا ہے، ویسے ہی ہاتھوں کو واپس سر کے شروع حصہ پر لایا جاتا ہے، جس کا ذکر خود اہل حدیث علماء بخاری اور مسلم کے حوالہ سے کرتے ہیں، جس کے حوالے گزر چکے۔

لیکن محدثین کی روایت میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے نکالا ہے، اور عوام بھی جانتی ہے کہ مسح میں آدمی کا ہاتھ اسی وقت کانوں کے نیچے نکلتا ہے، جب وہ گردن کا مسح کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پہلے سر کا مسح کرتے تھے، جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے، اور پھر سر کے مسح کے بعد گردن کا مسح فرماتے۔

لہٰذا صاحبِ عون المعبود کا یہ کہنا کہ مسح کے بعد گردن پر مسح کرنا ثابت نہیں ہوتا، باطل و مردود ہے۔

---

[23] اس کے سارے رجال ثقہ ہیں، جس کی تفصیل آگے **ص: ۹۶** پر موجود ہے۔

[24] یہاں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا یہ ہے کہ حضرت مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اپنے رسالہ '**عرف الزهرة في مسح الرقبة**' میں تحریر فرماتے ہیں (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ طلحہ بن مصرف کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ سر کا مسح کرتے ہوئے ہی گردن کا مسح فرمالیا تھا اور گردن کا الگ سے مسح کرنا، ہماری کوتاہ نظر سے نہیں گزرا۔ **(صفحہ: ۶۳)** لیکن چونکہ '**الحدیث یفسر بعضہ بعضا**' کا اصول مشہور ہے، اور پھر یہ الکنیٰ والاسماء للدولابی اور بیھقی کی روایت صاف طور سے دلالت کر رہی ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے سر کا مسح فرمایا، پھر کانوں کا اور پھر گردن کا، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ طلحہ بن مصرف کی تمام روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح کرنے کے بعد الگ سے گردن کا مسح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

سوم جہاں تک گردن کے مسح میں الٹے ہاتھ سے مسح کرنے کی بات ہے، تو حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ '**یمسح رقبته بظاهر اليدين حتى يصير ماسحا ببلل لم يصر مستعملا** 'یعنی اپنی گردن کا مسح دونوں ہاتھوں کی پشت سے کرے تاکہ مسح ایسی تری سے ہو جو اب تک استعمال نہیں ہوئی ہے۔

(العنایۃ شرح ہدایہ: جلد ۱: صفحہ ۳۴)[25]

[25] اس حدیث کی اگرچہ سند نہیں ملی، مگر قیاس اس کی تائید کرتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:
معجم الکبیر للطبرانی سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کیلئے الگ الگ لینا چاہیے، اس سے قیاساً یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وضو میں ہر عمل کیلئے (یعنی کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، چہرہ، ہاتھ، پیر دھونے اور مسح کرنے کیلئے بھی) نیا پانی لینا چاہیے۔
جب ہر عمل کیلئے نیا پانی لینا ہے، تو مسح کیلئے نیا پانی لینا ہو گا۔
اور مسح ۳ چیزوں کا کرنا ہے۔
۱۔ سر کا مسح۔
۲۔ کانوں کا مسح۔
۳۔ گردن کا مسح۔

ایک علمی اشکال اور اس کا جواب:

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ سر، کان اور گردن کے لئے بھی نیا پانی لینا چاہیے، کیونکہ قیاس یہی تقاضہ کرتا ہے کہ جب ہر عمل کیلئے نیا پانی لینا ہے، تو پھر مسح کے ان اعمال کے لئے نیا پانی لینا ہو گا۔

مگر اس کا جواب عرض ہے کہ حدیث پاک میں جہاں سر کے ساتھ کان پر مسح کا ذکر ہے، وہیں پر کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔(**صحیح ابن حبان** بتحقیق شعیب الارناؤوط: **حدیث نمبر ۱۰۸۷**، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں اور حاشیہ میں شیخ شعیب الارناؤط اس کی سند کو حسن کہتے ہیں)، تو معلوم ہوا کہ ایک ہی بار میں پانی سے پورے سر اور کان پر مسح کرنا ہے، لہذا کان کے مسح پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ گردن کے لئے بھی الگ سے پانی لینے کی حاجت نہیں ہے، یعنی ایک ہی بار کے پانی میں پورے سر، کان اور گردن کا مسح کرنا ہے۔ اور بھیگے ہوئے ہاتھوں کو بدن کے کسی حصہ پر لگانے کا نام مسح ہے "**إصابة اليد المبتلة العضو**"۔ لہذا مسح کی تعریف یہ تقاضہ کر رہی ہے کہ دونوں ہاتھوں کے وہ حصے جو پانی سے تر ہیں، جب وہ تر حصے سر، کان اور گردن پر پھیرے جائیں گے (عام حالات میں) تب ہی وہ مسح کہلائے گا۔

تو احناف نے یہ تطبیق بیان فرمائی کہ آدمی ایک بار اپنے دونوں ہاتھوں کو بھیگولے، پھر انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں کو الگ کر کے باقی تین انگلیوں اور ہتھیلی سے سر کا مسح کر لے، اور انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے کانوں کا مسح کر لے اور پھر الٹے ہاتھوں سے گردن کا مسح کر لے۔

اس سے ایک بار کے پانی سے ہی پورے سر، کان اور گردن کا مسح ہو جائے گا اور دونوں ہاتھوں لگا ہوا پانی بھی پوری طرح استعمال ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ یہ گردن پر مسح کا طریقہ بھی احادیث سے اخذ کیا ہوا ہے، لہٰذا صاحب عون المعبود کا اعتراض مردود ہے۔

نیز گردن پر الٹے ہاتھ سے مسح کے سلسلہ میں فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

ویمسح رقبته بظاهر الیدین حتی یصیر ماسحا ببلل لم یصر مستعملا ھکذا روت عائشة مسح رسول اللہ ﷺ۔ **(العنایة شرح الهدایه مع فتح القدیر ج: ۱ ص: ۲۹، کتاب الطهارة مسئلة و تفسیر النیة فی الوضوء)**

وزاد فی النهایة ویمسح رقبته بظاهر الیدین حتی یصیر ماسحا ببلل لم یصر مستعملا۔ **(الکفایة ج: ۱ ص: ۳۰ شرح الهدایه مع فتح القدیر ج: ۱ ص: ۲۹، کتاب الطهارة)**

ویمسحهما بماء جدید وفی النهایة یمسحهما بظاهر الکفین۔ **(الجوهرة النیرة ج: ۱ ص: ۶ سنن الطهارة، مسح الرقبة)**

ویمسح رقبته بظهر الیدین۔ **(الجوهرة النیرة ج: ۱ ص: ۷، سنن الطهارة)**

ویمسح رقبته بظاهر الیدین حتی یصیر ماسحا ببلل لم یصر مستعملا ھکذا روت عائشة رضی اللہ عنها مسحه علیه السلام اه ونقل عن الحواشی السعدیة ان قوله لم یصر مستعملا یعنی حقیقة وان لم یصر مستعملا حکما فی عضو واحد۔ **(منحة الخالق ج: ۱ ص: ۲۶)**

(وقوله ومسح رقبته) یعنی بظهر الیدین لعدم استعمال بلتهما واستدل فی فتح القدیر علی استحباب مسح الرقبة انه علیه السلام مسح ظاهر رقبته مع مسح الرأس۔ **(البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۸، سنن الوضوء، ومسح الرقبة)**

(قوله فی المتن ومسح رقبته) أی بظهر الیدین لعدم استعمال بلتهما۔ **(تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۶، مستحبات الوضوء)**

ومسح الرقبة مستحب بظهر الیدین لعدم استعمال بلتهما۔ **(فتح القدیر ج: ۱ ص: ۳۲، کتاب الطهارات، ترک الاسراف والتقتیر وغیره)**

ویمسح رقبته بظهر الیدین حتی یصیر مسحهما ببلل لم یستعمل لان البلة لم تستعمل مادامت علی العضو واذا انفصلت تصیر مستعملة بلا خلاف کما عرفت آنفا وبذلک ظهر ضعف ما قیل وکیفیته ان یضع کفیه واصابعه علی مقدم الرأس ویمدهما الی قفاه علی وجه یستوعب جمیع الرأس ویمسح اذنیه باصبعیه ولا یکون الماء مستعملا تدبر۔ **(مجمع الانهر ج: ص: ۲۸، کتاب الطهارة سنن الوضوء)**

قال فی الدر: (ومسح الرقبة) بظهر یدیه، قال الشامی: (قوله ومسح الرقبة) هو الصحیح وقیل انه سنة کما فی البحر وغیره (قوله بظهر یدیه) ای لعدم استعمال بلتهما۔ بحر، فقول المنیة بماء جدید لا حاجة الیه کما فی شرحها الکبیر، وعبر فی المنیة بظهر الاصابع ولعله المراد هنا۔ **(شامی ج: ۱ ص: ۱۲۴، سنن الوضوء مسح الرقبة)**

(ویمسح الرقبة بظهور الاصابع الثلاث) المتقدم ذکرها لبقاء البلة علی ظهورها غیر مستعملة وحینئذ فلا احتیاج الی قوله (بماء جدید)۔ **(حلبی کبیر ص: ۲۵)**

والثانی مسح الرقبة وهو بظهر الیدین اه کذا فی البحر الرائق۔ **(عالمگیری ج: ۱ ص: ۸)**

دلیل نمبر ۲:

امام ابو طاہر سِلَفیؒ (م ۵۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا الشيخ أبو الحسين المبارك بن عبد الجبار بن أحمد بانتخابي عليه من أصول كتبه أخبرنا أحمد، حدثنا عبد العزيز، حدثنا جدي، حدثنا سعيد بن عنبسة، حدثنا شعيب بن حرب، حدثنا مالك بن مغول، عن طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده قال: رأيت النبي -صلى الله عليه وسلم-، توضأ، فمسح برأسه حتى بلغ القذال۔

حضرت کعب بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ نے اپنے سرِ مبارک کا مسح فرمایا یہاں تک کہ آپ ﷺ مسح کرتے ہوئے اپنی گُدی تک پہنچ گئے۔ **(الطیوریات: جلد ۳: صفحہ ۸۳۱، حدیث نمبر ۷۴۴)**

نوٹ: اس حدیث میں موجود '**القذال**' کا مطلب گدی ہے، جیسا کہ خود اسی حدیث کے راویوں نے بتایا ہے، دیکھئے، **ص: ۷۹** اور اس کی سند شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔[26]

ويمسح رقبته بظاهر اليدين۔ **(المعتصر الضروری ص: ۳۴)**

(ومسح رقبته) بظاهر يديه۔ **(النهر الفائق شرح كنز الدقائق ج: ۱ ص: ۴۹)**

(ومسح الرقبة) بظهر يديه۔۔۔ در مختار (قوله بظهر يديه) لعدم استعمال بلتهما ودليله ماروی انه عليه السلام مسح ظاهر رقبته مع مسح الرأس۔ **(الموسوعة الفقهية تحت لفظ رقبة)**

الحنفية قالوا: مندوبات الوضوء وان شئت قلت فضائله او مستحباته او نوافله او آدابه۔۔۔ (الى قوله) ومسح الرقبة بظهر يده لعدم استعمال الماء الموجود بها۔ (الفقه على المذاهب الاربعة لعبد الرحمن الجزيری ج: ۱ ص: ۷۵، ۷۴، ملخصاً)

عبر الحنفية عن ذلک بالآداب جمع ادب هو مافعله النبی ﷺ مرة او مرتين ولم يواظب عليه وحكمه الثواب بفعله وعدم اللوم على تركه وآداب الوضوء عندهم اربعة عشر شيئا۔۔۔۔ (الى قوله)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مسح الرقبة بظهر يديه لا الحلقوم عند الحنفية۔ **(الفقه الاسلامی وادلته ج: ۱ ص: ۴۰۳-۴۰۵: ملخصاً)**

[26] رواۃ کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام ابو طاہر سِلَفیؒ (م ۵۷۱ھ) مشہور ثقہ حافظ ہیں، **(لسان المیزان: جلد ۱: صفحہ ۶۵۷)**،

(۲) ابو الحسین مبارک بن عبد الجبارؒ (م ۵۰۰ھ) بھی صدوق، ثقہ حافظ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام للذہبی: جلد ۱۰: صفحہ ۸۳۰)**،

(۳) احمد سے مراد احمد بن محمد ابو الحسن العتیقیؒ (م ۴۴۱ھ) ہیں، جو کہ ثقہ، محدث ہیں۔ **(سیر: جلد ۱۷: صفحہ ۶۰۲)**،

(۴) امام ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارقیؒ (م ۳۷۵ھ) ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، **(تاریخ الاسلام: جلد ۸: صفحہ ۴۱۵)**

(۵) حسن بن محمد ابو علی الدارقیؒ (م ۳۱۷ھ) ہیں اور یہ بھی ثقہ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد ۷: صفحہ ۳۲۱)**

نوٹ: اس روایت میں لیث بن ابی سلیمؒ نہیں ہیں، بلکہ ان کے متابع میں مالک بن مغولؒ (**م ۱۵۹ھ**) ہیں جو کہ ثقہ اور مضبوط ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۴۵۱**) اور غیر مقلدین کے نزدیک لیث ابن ابی سلیم شواہد اور متابعات کی کی صورت میں مقبول ہیں، جیسا کہ تفصیل **ص: ۱۷** پر موجود ہے، لہذا مالک بن مغولؒ کی روایت کی وجہ سے اب غیر مقلدین علماء مثلاً ابو صہیب داؤد، زبیر علی زئی اور عبد الوارث اثری وغیرہ کا[27] گردن کے کی روایت میں لیث بن ابی سلیمؒ پر جرح کرنا، خود ان کے اصول کی روشنی میں مردود ہے، لہذا الیثؒ کی روایت بھی متابع ملنے کی وجہ سے حسن ہے۔

دلیل نمبر ۳:

امام ابو نعیم (**م ۴۳۰ھ**) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا محمد بن أحمد بن محمد، ثنا عبد الرحمن بن داود، ثنا عثمان بن خرزاذ، ثنا عمرو بن محمد بن الحسن المكتب، ثنا محمد بن عمرو بن عبيد الأنصاري، عن أنس بن سيرين، عن ابن عمر، أنه كان إذا توضأ مسح عنقه ويقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من توضأ ومسح عنقه لم يغل بالأغلال يوم القيامة۔

---

(۶) سعید بن عنبسہؒ ہیں، جن پر کلام ہے، لیکن غیر مقلدین کے اصول کی روشنی ان پر کلام مردود ہے، کیونکہ زبیر علی زئی صاحب ایک راوی محمد بن حمید الرازی جن کو وہ خود کذاب قرار دیتے ہیں، ایک روایت میں ان کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اس حدیث کو یعقوب بن عبد اللہ القمی سے محمد بن حمید کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے پھر ان راویوں کا نام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سارے راوی ثقہ و صدوق ہیں، لہذا محمد بن حمید پر اعتراض غلط و مردود ہے۔ (**تعداد رکعات قیام رمضان، صفحہ: ۱۹**)
لہذا جب غیر مقلدین کے نزدیک محمد بن حمیدؒ پر کذاب کی جرح اس لئے مردود ہے، کیونکہ ثقات نے ان کی تائید کی ہے، تو پھر اہل حدیث حضرات کے اسی اصول کے مطابق اس روایت میں بھی سعید بن عنبسہ پر کلام مردود ہے، کیونکہ لیث بن ابی سلیمؒ کی روایت میں کئی ثقہ رواۃ [مثلاً حافظ مسددؒ (**م ۲۲۸ھ**)، محمد بن عیسی البغدادیؒ (**م ۲۲۴ھ**)، عبد الصمد بن عبد الوارثؒ (**م ۲۰۷ھ**)، شیبان بن فروخؒ (**م ۲۳۶ھ**)، سعید بن سلیمان الواسطیؒ (**م ۲۲۵ھ**)، امام، حافظ یحیی بن عبد الحمید الحمانیؒ (**م ۲۲۸ھ**) وغیرہ حفّاظ] سعید کی تائید کرتے ہیں۔ (ص ۷۸-۸۲) تو خود اہل حدیثوں کے اصول کی روشنی میں ثابت ہوا کہ یہ راوی اس روایت میں مقبول ہے اور اس پر کلام مردود ہے۔
(۷) شعیب بن حربؒ (**م ۱۹۷ھ**) ہیں، جو کہ صحیح بخاری کے راوی ہیں اور ثقہ عابد ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۷۹۷**)
(۸) مالک بن مغولؒ (**م ۱۵۹ھ**) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ و مضبوط ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۴۵۱**)، باقی رواۃ کی تفصیل پہلے گزر چکی۔ معلوم ہوا کہ یہ سند شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔
[27] **حدیث اور اہل تقلید: جلد ۱: صفحہ ۲۴۱، گردن کا مسح: صفحہ ۹۔**

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جب وہ وضو کرتے، تو گردن کا مسح فرماتے اور کہتے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو وضو کرے اور اپنی گردن پر مسح کرے، تو قیامت کے روز اس کو بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی۔ **(تاریخ ابو نعیم: جلد ۲: صفحہ ۷۸)**، واسنادہ حسن بالشواہد)

اس کی سند کے راویوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام ابو نعیمؒ **(م ۴۳۰ھ)** مشہور ثقہ، حافظ ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: جلد ۱: صفحہ ۳۶۵)**

(۲) محمد بن احمد بن محمد سے مراد، ثقہ امین راوی ابو بکر محمد بن احمد بن محمد بن جشنش الاصبہانی المعدلؒ **(م ۳۸۴ھ)** ہے۔ **(تاریخ الاسلام للذہبی: جلد ۸: صفحہ ۵۶۲)**[28]

(۳) عبد الرحمن بن داؤد الفارسیؒ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد ۷: صفحہ ۳۸۷، طبقات المحدثین: جلد ۴: صفحہ ۹۶)**[29]

(۴) حافظ عثمان بن عبد اللہ بن محمد بن خرزادؒ **(م ۲۸۲ھ)** سنن نسائی کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۴۹۰)**

---

[28] **اعتراض:** ابو صہیب داؤد ارشد صاحب نے محمد بن احمد بن محمد سے مراد محمد بن احمد بن محمد ابو بکر المفید بتایا ہے، **کہا کہ یہ راوی متہم ہے۔ (حدیث اور اہل تقلید: جلد ۱: صفحہ ۲۳۹)**، عبد الوارث غیر مقلد نے بھی یہی کہا ہے۔ **(گردن کا مسح: صفحہ ۲۲)**

الجواب: تاریخ ابو نعیم کی روایت بھی امام ابو نعیمؒ نے ابو بکر المفید کے حوالہ سے ذکر نہیں کی، اور یہاں اس روایت میں محمد بن احمد بن محمد سے مراد ابو بکر الاصبہانی المعدلؒ **(م ۳۸۴ھ)** ہیں، چنانچہ **تاریخ ابی نعیم: جلد ۲ صفحہ ۱۷۲** پر، امام ابو نعیمؒ نے صراحت کے ساتھ پورا نام محمد بن احمد بن محمد بن جشنش لکھا ہے، معلوم ہوا کہ یہاں پر ابو بکر مفید مراد نہیں ہے۔

لہٰذا ابو صہیب صاحب کا تعین صحیح نہیں ہے۔

نوٹ: البانیؒ نے پہلے محمد بن احمد بن محمد سے مراد ابو بکر المفید لیا تھا، پھر اس سے رجوع کرتے ہوئے انہوں نے ابو بکر المعدل مراد لیا ہے۔ **(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: جلد ۲: صفحہ ۱۶۷)**، مگر موصوف ابو صہیب صاحب اور عبد الوارث اثری نے علامہ البانی کے حوالہ سے، اس روایت کا موضوع اور ضعیف ہونا نقل تو کیا ہے (جس کی حقیقت آگے آرہی ہے)، لیکن اسی صفحہ پر شیخ البانی کے رجوع کو نظر انداز کر کے، محمد بن احمد سے مراد ابو بکر المفید ہی لیا ہے، تاکہ وہ اس روایت کو ضعیف ثابت کر سکیں۔

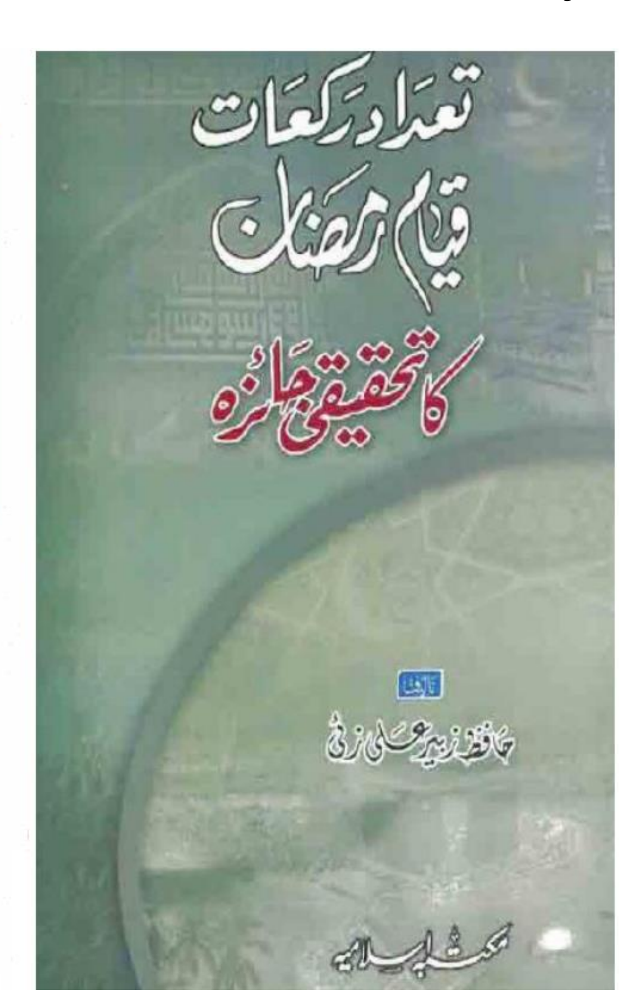
[29] مفتی شعیب اللہ خان صاحب نے اپنے مضمون **'عرف الزھرۃ فی مسح الرقبۃ'** میں عبد الرحمن بن داؤد کے تعین میں خطا کی ہے۔ **(صفحہ: ۵۹)** چنانچہ انہوں نے عبد الرحمٰن بن داؤد الواعظؒ مراد لیا ہے، جن کی وفات **(۶۰۸ھ)** کے بعد ہوئی ہے، جو کہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح عبد الرحمن بن داؤد الفارسیؒ ہے۔

(۵) عمرو بن محمد بن الحسنؒ پر شدید جرح ہے، لیکن عبد اللہ بن عمرؓ سے موقوف روایت میں ان کے متابع میں امام، حافظ یحیٰ بن عبد الحمید الحمّانیؒ (**م۲۲۸ھ**) [**ثقہ، حافظ**] موجود ہیں پھر موسیٰ بن طلحہؒ (**م۱۰۳ھ**) سے بھی یہی صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ لہٰذا اس روایت میں ان پر جرح بیکار ہے۔[30]

---

[30] آٹھ رکعت تراویح کی روایت میں ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہیں جس کو کفایت اللہ سنابلی صاحب کذاب کہتے ہیں۔(**مسنون رکعات تراویح صفحہ ؛۴۹**) لیکن اس راوی کی روایت پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو یعقوب بن عبد اللہ القمی سے محمد بن حمید کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے پھر ان راویوں کا نام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سارے راوی ثقہ و صدوق ہیں ،لہٰذا محمد بن حمید پر اعتراض غلط و مردود ہے۔ (**تعداد رکعات قیام رمضان صفحہ : ۱۹**)

اسکین:



قیامِ رمضان 19

ایک اعتراض

اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی ہے۔(مختصر قیام اللیل للمروزی ص۱۹۷) جو کہ کذاب ہے۔!

جواب: اس حدیث کو یعقوب بن عبداللہ القمی سے محمد بن حمید کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے، مثلاً:

① جعفر بن حمید الکوفی: (الکامل لابن عدی ۱۸۸۹/۵، المعجم الصغیر للطبرانی ۱۹۰/۱)
② ابو الربیع (الزہرانی/مسند ابی یعلی الموصلی ۳۳۶/۳، ۳۳۷ ح۱۸۰۱، صحیح ابن حبان ح۲۴۰۱، ۲۴۰۶)
③ عبدالاعلیٰ بن حماد (مسند ابی یعلی ۳۳۶/۳ ح۱۸۰۱، الکامل لابن عدی ۱۸۸۸/۵)
④ مالک بن اسماعیل (صحیح ابن خزیمہ ۱۳۸/۲ ح۱۰۷۰)
⑤ عبیداللہ یعنی ابن موسیٰ (صحیح ابن خزیمہ ۱۳۸/۲، ۱۰۷۰)

یہ سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں، لہٰذا محمد بن حمید پر اعتراض غلط اور مردود ہے۔

دوسرا اعتراض

اس کی سند میں یعقوب القمی ضعیف ہے، اس کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا:

"لیس بالقوي"

جواب: یعقوب القمی ثقہ ہے، اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے:

① نسائی نے کہا: لیس به بأس
② ابوالقاسم الطبرانی نے کہا: ثقة
③ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا (اور اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)
④ جریر بن عبدالحمید اسے "مومن آل فرعون" کہتے تھے۔
⑤ ابن مہدی نے اس سے روایت بیان کی۔(تہذیب التہذیب ۳۴۲/۱۱، ۳۴۳)
اور ابن مہدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی ۳۱۷/۱)
⑥ حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف ۲۵۵/۳)

الغرض جب محمد بن حمید الرازی اہل حدیثوں کے نزدیک کذاب ہونے کے باوجود صرف متابعت کی وجہ سے ان کی روایت صحیح ہو سکتی ہے ،تو پھر اہل حدیث حضرات کے اسی اصول کی روشنی میں عمروبن محمد بن الحسنؒ کی بھی روایت کی متابعات ہونے کی وجہ سے کم سے کم حسن تو ضرور ہوگی۔ اس لحاظ سے بھی کفایت صاحب کا اعتراض باطل ومردود ہے۔

پھر کفایت صاحب بھی لکھتے ہیں کہ جب مطلقا کسی کے کذاب ہونے بات کہی جائے تو حقیقی معنی ہی مراد ہونگے مگر یہ کہ کوئی قرینہ مل جائے۔**(مسنون رکعات تراویح صفحہ ۴۵)**

ہم کہتے ہیں کہ اس روایت میں عمروبن محمد بن الحسنؒ کو کذاب نہ کہنے کا قرینہ یہ ہے کہ ان کی گردن کے مسح کی روایت کے کئی صحیح وحسن متابعات موجود ہیں۔لہٰذا ان کے اپنے اصول کی روشنی میں ہی عمروبن محمد بن الحسن پر اعتراض باطل و مردود ثابت ہوا۔

البانی صاحب کا الزامی طور پر ایک حوالہ :

علامہ البانیؒ نے ابراہیم بن عثمان ابو شیبہؒ جن کو کفایت صاحب کذاب کہتے ہیں **(مسنون رکعات تراویح صفحہ ۴۳؛)** اس ابراہیم بن عثمانؒ کی ایک روایت کو البانیؒ حسن نہیں صحیح کہہ رہے ہیں۔**(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر :۱۴۹۵)**

اسکین ملاحظہ فرمائے:

(٦) محمد بن عمرو بن عبیدؒ کے متابع میں فلیح بن سلیمانؒ **(م۱۶۸ھ)** صحیح بخاری کے راوی ہیں، جو کہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ لہٰذا متابع ہونے کی وجہ سے محمد بن عمروؒ پر جرح بھی اس روایت میں مردود ہے۔[31]

سنن ابن ماجه

تصنيف

أبي عبد الله محمد بن يزيد القزويني

الشهير بـ (ابن ماجه)

(٢٠٩ - ٢٧٣ هـ)

حكم على أحاديثه وآثاره وعلّق عليه

العلامة المحدث محمد ناصر الدين الألباني

طبعة مميزة بضبط نصّها، مع تمييز زيادات أبي الحسن القطان، ووضع الحكم على الأحاديث والآثار، وفهرست الأطراف والكتب والأبواب

اعتنى به

أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان

مكتبة المعارف للنشر والتوزيع

لصاحبها سعد بن عبد الرحمن الراشد

الرياض

شَفَّعَهُمُ اللَّهُ». [«الأحكام» أيضاً، «الصحيحة» (٢٢٦٧): م نحوه].

١٤٩٠ ـ (ضعيف) حدّثنا أبُو بكرِ بنُ أبي شيبةَ، وعليّ بنُ محمّدٍ، قالاَ: حدّثنا عبدُ اللّهِ بن نُميرٍ، عنْ محمّدِ بنِ إسحاقَ، عنْ يزيدَ بنِ أبي حبيبٍ، عنْ مرثدِ بنِ عبدِ اللّهِ اليزنيّ، عَن مالكِ بنِ هُبيرةَ الشاميّ ـ وكانتْ لهُ صُحبةٌ ـ قال: كان إذا أُتيَ بِجنازةٍ، فَتَقَالّ[1] مَن تَبِعَهَا، جَزَّأَهُمْ ثَلاثةَ صفوفٍ، ثم صَلَّى عليها، وقال: إنَّ رَسولَ اللّهِ ﷺ قال: «ما صفَّ صُفُوفٌ ثلاثةٌ من المسلِمِينَ على ميّتٍ إلاَّ أَوْجَبَ» [«أحكام الجنائز» (١٠٠)].

٢٠ ـ باب ما جاء في الثناء على الميت

١٤٩١ ـ (صحيح) حدّثنا أحمدُ بنُ عبدةَ، قالَ: حدّثنا حمّادُ بنُ زيدٍ، عنْ ثابتٍ، عَن أنس بن مالكٍ؛ قال: مُرَّ على النَّبيِّ ﷺ بجنَازَةٍ فأُثْنِيَ عَلَيها خَيْراً، فقال: «وَجَبَتْ»، ثم مُرَّ عَليه بجنازَةٍ، فأُثنيَ عليها شَرًّا، فقال: «وَجَبَت». فقيل: يا رسولَ اللّه! قُلتَ لهذه وَجبَت، ولهذه وَجَبَتْ. فقال: «شهادةُ القَومِ[2]، والمؤمنونَ شُهودُ اللّهِ في الأَرضِ». [«الأحكام» (٤٤ ـ ٤٥): ق].

١٤٩٢ ـ (صحيح) حدّثنا أبُو بكرِ بنُ أبي شيبةَ، قالَ: حدّثنا عليّ بنُ مُسهرٍ، عنْ محمّدِ بنِ عمرٍو، عنْ أبي سلمةَ، عن أبي هريرةَ؛ قال: مُرَّ على النَّبيِّ بجِنازَةٍ فَأُثْنِيَ عليها خيراً في مناقِبِ الخيرِ[3]، فقال: «وَجَبَت». ثم مَرُّوا عليهِ بأخرى، فأُثنِيَ عليها شَرًّا في مناقب الشَّرِّ، فقال: «وَجَبَت، إنكم شُهَداءُ اللّهِ في الأَرضِ». [«الأحكام» أيضاً، «الصحيحة» (٢٦٠٠)].

٢١ ـ باب ما جاء في: أين يقوم الإمام إذا صلَّى على الجنازة؟

١٤٩٣ ـ (صحيح) حدّثنا عليّ بنُ محمّدٍ، قالَ: حدّثنا أبُو أُسامةَ، قالَ: أخبرني الحُسينُ بنُ ذكوانَ، عنْ عبدِ اللّهِ بن بُريدةَ الأسلميّ، عَن سَمُرَةَ بنِ جندَبٍ الفَزَاريّ: أنَّ رَسولَ اللّهِ ﷺ صلَّى على امرَأةٍ ماتَت في نِفَاسها، فقامَ وَسَطَها. [«الأحكام» (١١٠): ق].

١٤٩٤ ـ (صحيح) حدّثنا نصرُ بنُ عليّ الجهضميّ، قالَ: حدّثنا سعيدُ بن عامرٍ، عنْ همّامٍ، عن أبي غالبٍ؛ قال: رَأَيتُ أَنَسَ بنَ مالكٍ صَلَّى على جِنازَةِ رَجُلٍ، فقامَ حيالَ رأسِهِ، فجِيءَ بجنازةٍ أُخرى بِامرأةٍ، فقالوا: يا أَبا حمزةَ! صَلِّ عَلَيها. فَقامَ حِيالَ وَسَطِ السرير، فقالَ له العلاء بن زياد: يا أَبا حمزة! هكذا رأَيتَ رَسولَ اللّه ﷺ قامَ من الجِنازة مُقامَكَ مِن الرَّجُلِ، وقامَ من المرأةِ مُقامَكَ مِن المَرأَةِ؟ قالَ: نعم. فأَقْبَلَ عَلَينا، فقالَ: احفَظوا. [«الأحكام» (١٠٩)، «المشكاة» (١٦٧٩)].

٢٢ ـ باب ما جاء في القراءة على الجنازة

١٤٩٥ ـ (صحيح) حدّثنا أحمدُ بنُ منيعٍ، قالَ: حدّثنا زيدُ بنُ الحُبابِ، قالَ: حدّثنا إبراهيمُ بنُ عُثمانَ، عنِ الحكمِ، عنْ مقسمٍ، عَن ابنِ عبَّاسٍ: أنَّ النَّبيَّ ﷺ قَرَأَ عَلى الجِنازَةِ بِفاتحَةِ الكتاب. [«المشكاة» (١٦٧٣)،

(١) «فتقالّ»؛ أي: فعدَّهم قليلين.

(٢) «شهادة القوم»؛ أي: وجبت للميت شهادة القوم، أو مقتضاها.

(٣) «خيراً في مناقب الخير»؛ أي: خيراً معدوداً في خصال الخير وأفعاله.

٢٦٤

اہل حدیث حضرات! کیا وجہ ہے کہ آپ کے محدث البانی صاحب نے کفایت صاحب کے بہ قول ایک کذاب کی روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں۔

پس جو جواب آپ اس روایت کا دیں گے وہی ہماری طرف سے عمرو بن محمد بن الحسنؒ کے بارے میں ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عمرو بن محمد بن الحسن پر کذاب کا الزام اس گردن پر مسح والی روایت میں مردود ہے۔**اور ان کی یہ روایت متابعات وشواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔**واللہ اعلم

31 مفتی شعیب صاحب دامت برکاتہم نے علامہ شوکانیؒ کے حوالہ سے محمد بن عمرو الانصاری کو **'واہ'** قرار دیا ہے، جو کہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ **(م۸۵۲ھ)** نے تقریب میں ان کو صرف ضعیف لکھا ہے۔**(رقم ۶۱۹۲)** پھر ان کے متابع میں فلیح بن سلیمان [ثقہ] کی معلق روایت بھی موجود ہے۔ لہٰذا ان پر جرح کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۷) انس بن سیرینؒ (۱۲۰ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔(تقریب: رقم ۵۶۳)

(۸) عبد اللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ) مشہور صحابی رسول ہیں۔ **الغرض معتبر متابع وشواہد کی موجودگی میں یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔**

متابع نمبر ا:

تلخیص الجبیر میں ہے کہ:

رواه أبو الحسين بن فارس بإسناده عن فليح بن سليمان عن نافع عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من توضأ ومسح بيديه على عنقه وقي الغل يوم القيامة۔ امام ابو الحسین بن فارسؒ (۳۹۵ھ) نے '**عن فليح بن سليمان عن نافع عن ابن عمر**' کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پر مسح کیا، تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچالیا جائے گا۔(**جلد ا: صفحہ ۱۶۳**)

نوٹ:

اگرچہ، اس حدیث کی پوری سند موجود نہیں ہے، (یعنی یہ روایت معلق ہے) لیکن اس روایت کو امام عبد الواحد بن اسماعیل الرویانیؒ (۵۰۲ھ) [ثقہ] [32] نے صحیح کہا ہے۔(**بحر المذہب: جلد ا: صفحہ ۱۱۹**) زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ اس روایت امام ابن فارسؒ (م ۳۹۵ھ) نے بھی '**هذا إن شاء الله حديث صحيح**' کہا ہے۔(**ہدایۃ المسلمین: صفحہ ۱۶**) اور محدثین کا کسی حدیث کی تصحیح وتحسین کرنا، غیر مقلدین کے نزدیک اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (دیکھئے، **ص: ۹۶**) خود زبیر علی زئی صاحب یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ "جس راوی کی کم از کم دو محدثین توثیق کردیں وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ ثقہ وصدوق قرار دیا جاتا ہے"۔(**الحدیث: شمارہ: ۲۵: ص ۴۳**) لہذا جب اس حدیث کو ۲، ۲ محدثین نے صحیح کہا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام راوی خود اہل حدیث حضرات کے اپنے اصول سے

نیز، عبد الرحمن بن داؤد اور محمد بن عمروؒ کی وجہ سے مفتی صاحب نے اس روایت کو موضوع کہا ہے، لیکن تحقیق کی روشنی میں یہ بات صحیح نہیں ہے، جس کی تفصیل آپ دیکھ چکے ہیں، پھر ابن عمرؓ سے حسن سند کے ساتھ موقوفاً، اور (م ۱۰۳ھ) میں وفات پانے والے راوی جن کے صحابی ہونے کا امکان ہے، ان سے بھی یہی حدیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، جن کی تفصیل آرہی ہے۔ لہذا یہ روایت موضوع نہیں، بلکہ شواہد اور متابع کی وجہ سے یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

[32] دیکھئے: **وفیات الاعیان لابن خلکان: جلد ۳: صفحہ ۱۹۸، سیر اعلام النبلاء: جلد ۱۹: صفحہ ۲۶۰، المنتخب من کتاب السیاق لتاریخ نیساپور: صفحہ ۳۷۱۔**

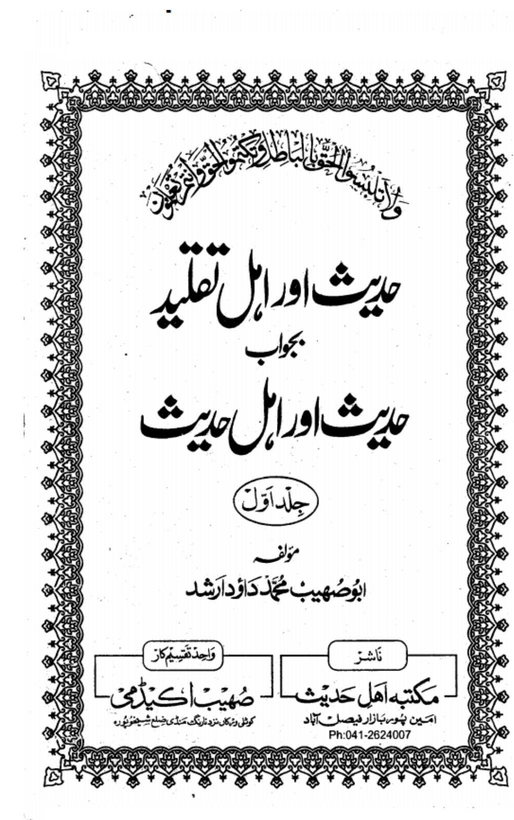
ثقہ وصدوق ہیں جس کی وجہ سے اس کی سند حسن ہو گی۔ لہذا اس روایت سے کم سے کم تاریخ ابونعیم والی روایت کا ضعف تو ختم ہو ہی جاتا ہے۔[33]

---

[33] **اعتراض:**

ابوصہیب داؤد ارشد صاحب کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ مذکورہ روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابن فارس اور فلیح راویوں کے درمیان ہلاک کی جگہ ہے، لہذا دیکھا جائے ان میں کون راوی ہے۔ **(التلخیص الجبیر: جلد ۱: صفحہ ۹۳)** علامہ شوکانیؒ ان درمیانی راویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسین بن علوان اور (ابو) خالد واسطی ہے۔ **(حدیث اور اہل تقلید: جلد ۱: صفحہ ۲۳۸)**

اسکین:



حدیث اور اہل تقلید جلد اوّل ۲۳۸

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی بھی روایت ایسی نہیں جو قابل عمل ہو۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گردن پر مسح نبی ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ تمام وہ احادیث جو وضو کی کیفیت کے متعلق ہیں ان میں گردن کے مسح کا ذکر نہیں اس وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب نہیں جیسا کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ۔ (مجموع فتاوی ابن تیمیه ص۱۲۷ ج۲۱)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گردن کے مسح کے بارے میں قطعا کوئی صحیح حدیث نہیں۔ (زاد المعاد ص۱۹۵ ج۱)۔

علامہ نووی اور علامہ فیروز آبادی نے گردن کے مسح کو بدعت کہا ہے۔ بحواله (السعاية ص۱۷۸ ج۱، خزائن السنن ص۱۰۴ ج۱)۔

فصل دوم

عن ابن عمران النبی ﷺ قال من توضاء ومسح بيده على عنقه وقى الغل يوم القيمة۔ (التلخيص الحبير ص۹۳ ج۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن (گدی) پر مسح کیا۔ تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچا لیا جائے گا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۳)۔

الجواب: آپ نے عنق کا معنی گردن کر کے پھر اس سے مراد ''گدی'' لیا ہے جو روایت کے الفاظ میں تحریف معنوی ہے عنق بمعنی گلا آتا ہے۔ علامہ ابن منظور فرماتے ہیں۔ ''العنق والعنق وصلة ما بين الراس والجسد'' (لسان العرب ص۲۷۱ ج۱)۔ مگر افسوس! ہمارا مہربان اس کا معنی گردن کر کے اس سے مراد گدی لیتا ہے۔ یہ بددیانتی اس مقصد کے تحت کی گئی ہے کہ گلے کا مسح تو خود احناف کے نزدیک بھی بدعت ہے۔ (البحرائق ص۲۸ ج۱ و فتاوی عالم گیری ص۸ ج۱ و خیر الفتاوی ص۶۵ ج۲)۔ محترم گدی کے لئے عربی میں رقبہ کا لفظ مستعمل ہے۔ خود جناب نے بھی کتاب میں عنوان ''المسح على الرقبة'' قائم کیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۲)۔

ثانیا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ابن فارس، اور فلیح راویوں کے درمیان ہلاک کی جگہ ہے لہذا دیکھا جائے ان میں کون راوی ہے (التلخیص الحبیر ص۹۳ ج۱)۔ علامہ شوکانی ان درمیانی راویوں کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسین بن علوان، اور خالد واسطی ہیں۔ (نیل اوطار ص۱۸۱ ج۱ باب مسح العنق)۔

حسین بن علوان کو امام یحیی نے کذاب، علی بن مدینی نے سخت ضعیف کہا ہے۔

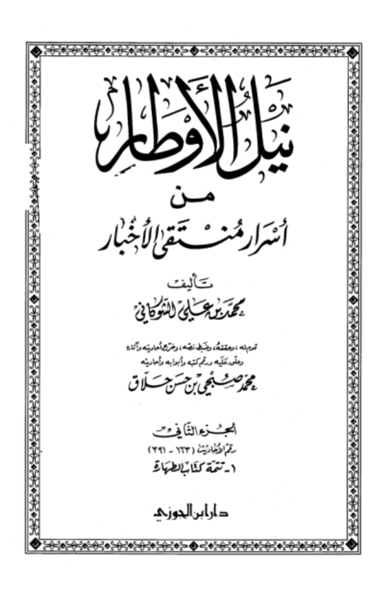
الجواب:

قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کے پورے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

رواه أبو الحسين بن فارس بإسناده عن فليح بن سليمان عن نافع عن ابن عمر أن النبي -صلى الله عليه وسلم قال: من توضأ ومسح بيديه على عنقه وقي الغل يوم القيامة وقال: إن شاء الله هذا حديث صحيح. قلت: بين ابن فارس وفليح مفازة فلينظر فيها انتهى. وهو في كتب أئمة العترة في أمالي أحمد بن عيسى، وشرح التجريد بإسناد متصل بالنبي -صلى الله عليه وسلم، ولكن

فيه الحسين بن علوان عن أبي خالد الواسطي بلفظ: من توضأ و مسح سالفتيه و قفاه أمن من الغل يوم القيامة۔ (نیل الاوطار : جلد ا: صفحہ ۲۰۷)

اسکین:



وروى القاسم بن سلام في كتاب الطهور[1] عن عبد الرحمن بن مهدي عن المسعودي عن القاسم بن عبد الرحمن عن موسى بن طلحة قال: «من مسح قفاه مع رأسه وُقِيَ الغل يوم القيامة» قال الحافظ ابن حجر في التلخيص[2]: «فيحتمل أن يقال هذا، وإن كان موقوفاً فله حكم الرفع، لأن هذا لا يقال من قبيل الرأي فهو على هذا مرسل» انتهى.

وأخرج أبو نعيم في تاريخ أصبهان[3] قال: حدثنا محمد بن أحمد حدثنا عبد الرحمن بن داود حدثنا عثمان بن خُرّزاذ حدثنا عمر بن محمد بن الحسن حدثنا محمد بن عمرو الأنصاري عن أنس[4] بن سيرين عن ابن عمر أنه كان إذا توضأ مسح عنقه ويقول: قال رسول الله ﷺ: «من توضأ ومسح عنقه لم يغل بالأغلال يوم القيامة» والأنصاري[5] هذا واه.

قال الحافظ[6]: قرأت جزءاً رواه أبو الحسين بن فارس بإسناده، عن فليح بن سليمان، عن نافع، عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال: «من توضأ ومسح بيديه على عنقه وقي الغل يوم القيامة» وقال: [أي أبو الحسين][7] إن شاء الله هذا حديث صحيح. قلت: بين ابن فارس وفليح مفازة فلينظر فيها» انتهى.

وهو في كتب أئمة العترة في أمالي أحمد بن عيسى[8]، وشرح التجريد[9]

(١) في كتاب الطهور (ص١٣١ رقم ٣٦٨) بسند ضعيف.
(٢) (٩٢/١). (٣) (١١٥/٢) بسنده ضعيف.
(٤) في (ب): (عن أنس عن ابن سيرين) وهو خطأ.
(٥) قال عنه ابن حبان في «المجروحين» روى عنه أهل البصرة، وهو ممن ينفرد بالمناكير عن المشاهير، يعتبر حديثه من غير احتجاج به.
وقال ابن معين، ويعقوب بن سفيان: ضعيف.
انظر «تهذيب التهذيب» (٦٦٤/٣).
(٦) في «التلخيص» (٩٣/١). قلت: بل الحديث ضعيف جداً.
(٧) زيادة من (ب) و(ج).
(٨) ويسمى أيضاً: «علوم آل محمد» و«بدائع الأنوار» لأبي عبد الله أحمد بن عيسى بن زيد الحسيني. (٢٤٧هـ).
(٩) تأليف: الإمام المؤيد أحمد بن الحسين الهاروني الديلمي (٤١١هـ).
الأصل: «التجريد في علم الأثر» للمؤلف أيضاً.
والشرح في أربع مجلدات اعتنى فيه بالأسانيد وأسماء الرواة الراوين عن علي رضي الله عنه، والأئمة من أهل البيت...».

١١٢

بإسناد متصل بالنبي ﷺ، ولكن فيه الحسين بن علوان عن أبي خالد الواسطي[1] بلفظ: «من توضأ ومسح سالفتيه وقفاه أمن من الغل يوم القيامة» وكذا رواه في أصول الأحكام[2]، والشفاء[3]. ورواه في التجريد[4] عن علي عليه السلام من طريق محمد بن الحنيفة في حديث طويل، وفيه «أنه لما مسح رأسه مسح عنقه وقال له. بعد فراغه من الطهور: «افعل [كفعالى][5] هذا».

وبجميع هذا تعلم أن قول النووي[6] مسح الرقبة بدعة، وأن حديثه موضوع مجازفة، وأعجب من هذا قوله: ولم يذكره الشافعي ولا جمهور الأصحاب، وإنما قاله ابن القاصّ وطائفة يسيرة. فإنه قال الروياني[7] من أصحاب الشافعي في كتابه المعروف بالبحر ما لفظه: قال أصحابنا: وهو سنة، وتعقب النووي أيضاً ابن

(١) عمرو بن خالد القرشي مولاهم، أبو خالد، كوفي، نزل واسط: متروك، ورماه وكيع بالكذب.. «التقريب» رقم (٥٠٢١). وخلاصة القول أن الحديث ضعيف جداً.
(٢) أصول الأحكام في الحلال والحرام. تأليف: الإمام المتوكل أحمد بن سليمان الحسني اليمني (٥٦٦هـ).
فيه ما يزيد على ثلاثة آلاف وثلاثمائة حديث في الحلال والحرام من الأحكام الفقهية، وهو مقسم على الكتب مبدوءاً بكتاب الطهارة، والأخبار محذوفة الأسانيد، وربما يذكر المؤلف رأيه في الموضوع بعنوان «رأينا» وقد رجح مذهب الإمام الهادي على مذاهب فقهاء العامة...».
● قلت: كان الأولى بالإمام الشوكاني أن يقول ذكره أو أورده في أصول الأحكام لأنه يذكر الحديث دون سند كما قد علمت آنفاً.
(٣) وهو «شفاء الأوام في أحاديث الأحكام للتمييز بين الحلال والحرام» تأليف الإمام الحسين بن بدرالدين الحسني (٦٦٢هـ) لم يكمله وأكمله الأمير صلاح الدين بن إبراهيم.
وهو من معتمدات الزيدية في الحديث، وفيه نصرة لمذهب الإمام الهادي (٦٨/١).
● وعليه حاشية للإمام الشوكاني بعنوان «وبل الغمام على شفاء الأوام».
طبعت في مجلدين بتحقيقي. ط: دار ابن تيمية ـ القاهرة.
قلت: كان الأولى بالإمام الشوكاني أن يقول ذكره أو أورده في شفاء الأوام، لأن المؤلف يذكر الحديث دون سند.
(٤) ذكره الإمام القاسم في «الاعتصام بحبل الله المتين» (٢٢٥/١).
(٥) في (ب): (كفعلي).
(٦) في «التنقيح في شرح الوجيز» (٢٨٩/١) بهامش الوجيز للغزالي.
(٧) ذكره الحافظ في «التلخيص» (٩٣/١).

١١٣

غور فرمائیے، قاضی شوکانیؒ نے '**الحسين بن علوان عن آبي خالد الواسطي**' کو ابن فارسؒ کی روایت کے درمیانی راوی نہیں، بلکہ ایک دوسری حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں: '**من توضأ و مسح سالفتيه وقفاه أمن من الغل يوم القيامة**'، اس کے راوی قرار دیتے ہیں، لیکن افسوس چونکہ ابو صہیب داؤد ارشد صاحب اپنے مسلک کے خلاف آئی یہ روایت کو کسی بھی قیمت پر ضعیف ثابت کرنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے یہ کہا کہ علامہ شوکانیؒ (ابن فارس کی روایت کے) درمیانی راویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسن بن العلوان اور (ابو) خالد الواسطی ہے، اور قاضی شوکانیؒ صاحب پر جھوٹ بول دیا۔ (اللہ ان کی خطاء کو معاف فرمائے۔ آمین)

ایک اور دلیل:

'**حسین بن علوان**' اور ابو خالد الواسطی کا ابن فارس کی روایت کے راوی نہ ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ ابو خالد الواسطی کی وفات **۱۲۰ھ** کے بعد ہوئی ہے۔ (**تقریب: رقم ۵۰۲۱**) اور ان کے شاگرد حسین بن علوان کی وفات (**۲۰۰ھ**) کے بعد ہوئی ہے۔ (**تاریخ الاسلام: جلد ۵: صفحہ ۵۳**)، جبکہ ابن فارس کی اس روایت میں ابن عمرؓ (**م ۷۴ھ**) شاگرد امام نافعؒ ہیں جن کی وفات (**۱۱۷ھ**) میں ہے، وہ ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۰۸۶**) اور ان کے شاگرد فلیح بن سلیمانؒ (**م ۱۶۸ھ**) ہیں، جو کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۵۴۴۳، تحقیقی مقالات: زبیر علی زئی: جلد ۴: صفحہ ۳۶۹**)

متابع نمبر ۲:

امام بیہقیؒ (م**۴۵۸ھ**) فرماتے ہیں کہ:

أخبرناعبدالواحد، أناأبو القاسم بن عمرو، ثناأبو حصين، ثنايحيى، ثناأبو إسرائيل، عن فضيل بن عمرو، عن مجاهد، عن ابن عمر "أنه كان إذامسح رأسه مسح قفاه مع رأسه، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب آپ اپنے سر کا مسح کرتے، تو سر کے ساتھ اپنی گدی کا مسح فرماتے تھے۔(**السنن الکبریٰ للبیہقی: جلد ۱: صفحہ ۹۹، حدیث نمبر ۲۷۹**)

سند کے رواۃ کی تحقیق درجِ ذیل ہے:

(۱) امام بیہقیؒ مشہور محدث، ثقہ، حافظ ہیں۔(**تاریخ الاسلام، وغیرہ**)

(۲) عبد الواحد بن محمدؒ صدوق راوی ہیں۔(**السلسبیل النقی فی تراجم شیوخ البیہقی: صفحہ ۴۵۳**)

(۳) ابو القاسم محمد بن جعفر بن عمروؒ بھی مقبول راوی ہیں، ان سے امام ابو نعیمؒ (م**۴۳۰ھ**) امام ابو الشیخؒ (م**۳۶۹ھ**) اور احمد بن علی ابو الحسین الکوفیؒ (م**۳۴۰ھ**) نے روایت کی ہے۔ اور امام ابو نعیمؒ نے آپ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔(**مستخرج علی صحیح مسلم: جلد ۱: صفحہ ۱۹۹**) اور محدثین کا کسی حدیث کی تصحیح و تحسین کرنا، غیر مقلدین کے نزدیک اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (**نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: ص ۱۷، انوار البدر: ص ۲۷**) لہذا معلوم ہوا کہ امام ابو نعیمؒ کے نزدیک یہ راوی معتبر ہے۔

لہذا یہ قرائن بتا رہے ہیں کہ ابو خالد الواسطی اور حسین بن العلوان، ابن فارس اور فلیح کے درمیانی راوی ہو ہی نہیں سکتے، کیونکہ ان دونوں حضرات (ابو خالد اور حسین) **۲۰۰ھ** کے آس پاس وفات پا چکے تھے، ابن فارسؒ کی سند کے وہ راوی مطلوب ہے جو فلیح بن سلیمانؒ (م**۱۶۸ھ**) سے ابن فارسؒ (م**۳۹۵ھ**) کے درمیانی زمانہ کے ہیں۔

لہذا ابو صہیب داؤد ارشد صاحب نے محض تعصب میں آکر بغیر تحقیق کے علامہ شوکانی پر جھوٹ بولا ہے۔(اللہ انہیں معاف فرمائے۔ آمین)

نوٹ: مفتی شعیب صاحب دامت برکاتہم نے یہ حدیث کو بھی موضوع لکھا ہے، لیکن دلیل میں علامہ شوکانیؒ کی عبارت کو پیش کیا ہے۔(**صفحہ ۵۸**) اور ہم بتلا چکے ہیں کہ علامہ شوکانیؒ کے ذکر کردہ رواۃ '**الحسين بن علوان عن أبي خالد الواسطي**' ابن فارسؒ کی روایت کے نہیں ہیں، بلکہ دوسری حدیث کے ہیں، جس کی تفصیل گزر چکی، لہذا یہاں اس روایت کو موضوع کہنا حضرت والا کا سہو ہے۔

(۴) ابو حسین سے مراد ابو حسین محمد بن الحسین الکوفیؒ (**م ۲۹۶ھ**) ہیں، جو کہ ثقہ ہیں۔(**ارشاد القاصی والدانی إلی تراجم شیوخ الطبرانی: صفحہ ۵۳۴**)

(۵) یحیٰ کا پورا نام یحیٰ بن عبد الحمید الحمانیؒ (**م ۲۲۸ھ**) ہے، اور صحیح مسلم کے راوی ہونے کے ساتھ جمہور کے نزدیک ثقہ حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۵۹۱، تہذیب التہذیب: جلد ۱۱: صفحہ ۲۴۷**)[34]

---

[34] امام، حافظ یحیی بن عبد الحمید الحمانیؒ (**م ۲۲۸ھ**) صحیح مسلم کے راوی ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ، حافظ ہیں،

امام الجرح والتعدیل امام یحیی بن معینؒ (**م ۲۳۳ھ**) کہتے ہیں کہ امام یحیی بن عبد الحمید ثقہ ہیں ،اور کہتے ہیں کہ "**صدوق مشهور مابالكوفة مثل ابن الحماني، مايقال فيه الامن حسد**" صدوق ہیں مشہور ہیں کوفہ میں ان کے جیسا کوئی نہیں تھا اور ان کے بارے میں (بری)بات حسد کی وجہ سے کہی جاتی ہے۔اور ابن محرزؒ کی روایت میں ہے کہ یحیؒ کہتے ہیں کہ "**كان ثقة لا بأس به رجل صدق**" یحیی بن عبد الحمیدؒ ثقہ تھے ان میں کوئی خرابی نہیں تھی اور وہ سچے آدمی تھے۔بلکہ الاسماء والکنی میں امام دولابیؒ (**م ۳۱۰ھ**) [ثقہ عند الجمہور]نے حافظ عباس الدوریؒ سے روایت کیا ہے کہ امام یحیی بن معینؒ، یحیی بن عبد الحمیدؒ کو ثقہ کہتے تھے یہاں تک کہ اس دنیا سے وفات پا گئے۔الفاظ یہ ہیں "**ولم يزل يحيى يقول هذا في ابي يحيى الحماني وابنه حتى مات**" نیز ابن معینؒ نے انہیں محدث اور صاحب حدیث بھی قرار دیا ہے، بلکہ محمد بن ابی ہارون الھمدانیؒ (**م ۲۸۳ھ**) کہتے ہیں کہ امام یحیی بن معینؒ نے فرمایا کہ "**ثقة، فقلت: يقولون فيه؟ فقال: يحسدونه هو والله الذى لا اله الا هو ثقة**" یحیی بن عبد الحمیدؒ ثقہ ہیں ،تو میں نے (محمد بن ابی ہارونؒ) کہا کہ بعض لوگ ان کے بارے میں (برا) کہتے ہیں ،؟ تو ابن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ یحیی بن عبد الحمیدؒ سے حسد کرتے ہیں ،اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یحیی بن عبد الحمیدؒ ثقہ ہیں۔(**تمام اقوال کے لئے موسوعۃ اقوال یحیی بن معین فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث ج:۵ ص: ۸۳، ۸۵ دیکھیں**)

ایک روایت میں یحیی بن معینؒ نے کہا کہ: امام یحیی بن عبد الحمیدؒ ثقہ ہیں ، ثقہ ہیں۔(تاریخ اسماء الثقات ص: ۲۷۰)
امام مسلمؒ (**م ۲۶۱ھ**) نے آپ سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک امام مسلمؒ جس سے روایت لیں وہ ان کی طرف سے توثیق اور ان کے نزدیک معتبر وثقہ ہوتا ہے۔(**سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص: ۴۳، انوار البدر ص: ۱۳۶**) ثابت ہوا کہ امام مسلمؒ کے نزدیک بھی امام یحیی بن عبد الحمیدؒ ثقہ ہیں۔امام ابو حاتمؒ (**م ۲۷۷ھ**) کہتے ہیں کہ "کان

احدالمحدثین" یحیی الحمانیؒ محدثین میں سے تھے۔اور کہتے ہیں کہ "**لم ار احدا من المحدثین ممن یحفظ یأتی بالحدیث علی لفظ واحد سوی یحیی الحمانی فی شریک**" پھر ان کے بیٹے امام ابن ابی حاتمؒ اپنے والد کے بارے میں کہتے ہیں کہ :کان ابی یروی عنہ۔میرے والد (ابو حاتمؒ)ان سے روایت کرتے تھے۔(**تاریخ بغداد ج:۱۴ص:۱۷۴،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج:۹ص:۱۷۰**) اور غیر مقلدین کے نزدیک امام ابو حاتمؒ صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ دیکھئے (**انوار البدر:ص ۲۸۲**) معلوم ہو ا کہ امام ابو حاتمؒ کے نزدیک وہ ثقہ ہی ہیں۔

امام احمد بن منصور الرمادیؒ(م۲۶۵ھ) [جو کہ ثقہ ،حافظ اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں ،**تقریب رقم :۱۱۳،ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذهبی ص:۱۹۶**،وہ)کہتے ہیں کہ" **ھو عندی أوثق من أبی بکر بن ابی شیبۃ,وما یتکلمون فیہ الا من الحسد**"میرے نزدیک امام یحیی بن عبد الحمیدؒ امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ سے زیادہ ثقہ ہیں اوران کے بارے میں (بعض)لوگ حسد کی وجہ سے کلام کرتے ہیں۔(**تھذیب الکمال ج:۳۱ص:۴۳۰،تاریخ بغداد ج:۱۴ص:۱۷۹**) امام یعقوب بن سفیانؒ(م۲۷۷ھ) نے بھی یحیی بن عبدالحمیدؒ سے روایت کیا ہے۔(**التاریخ والمعرفہ ج:۳ص:۱۵۴،۱۹۲،۲۲۴،۳۶۳**) اور امام یعقوب بن سفیانؒ اپنے نزدیک ثقہ ہی سے روا یت کرتے ہیں ،نیز خود یعقوب بن سفیانؒ سے مروی ہے کہ میں نے ۱۰۰۰ شیوخ سے حدیثیں لکھی ہیں اور تمام کے تمام ثقہ تھے جیسا کہ غیر مقلدین کا کہنا ہے۔(**مقالات زبیر علی زئی ج:۱ص:۴۴۹**) معلوم ہواکہ امام یعقوب بن سفیانؒ کے نزدیک بھی امام یحیی بن عبدالحمیدؒ ثقہ ہیں،

ثقہ اور صدوق راوی علی بن حکیم الکوفیؒ(م۲۳۷ھ) کہتے ہیں کہ "**مارأیت احدا احفظ لحدیث شریک منہ**" میں نے شریک کی حدیث میں امام یحیی بن عبدالحمیدؒ سے زیادہ حافظے والا نہیں دیکھا۔(**الکامل لابن عدی ج:۹ص:۹۷**) امام حافظ محمد بن عبداللہ بن نمیرؒ الکوفی(م۲۳۴ھ)،(جو کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں۔**ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذهبی ص:۱۸۶**،وہ) کہتے ہیں کہ "**ھو ثقۃ ھو أکبر من ھؤلاء کلھم فاکتب عنہ**"امام یحیی بن عبدالحمیدؒ ثقہ ہیں اور وہ ان تمام لوگوں سے بڑے(بہتر) ہیں ،لہذا ان سے حدیثیں لکھو۔(**تاریخ بغداد ج:۱۴ص:۱۷۵**)

نوٹ :

اس روایت میں "**ان تمام لوگوں**"سے مراد ثقہ اور صدوق راوی حکیم الکوفیؒ(م۲۳۷ھ) حافظ محمد بن عبداللہ الحضرمیؒ(م۲۹۷ھ) اور ان کے اصحاب ہیں۔(یعنی محدثین ہیں) جیساکہ **الکامل لابن عدی ج:۹:ص**۹۷ کی روایت سے معلوم

ہوتا ہے۔نیز ابن نمیرؒ کے اس قول پر علی بن حکیم الکوفیؒ (م۲۳۷ھ) ،حافظ محمد بن عبداللہ الحضرمیؒ (م۲۹۷ھ) نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا ہے ،اور علی زئی صاحب کا اصول کے مطابق سکوت ذریعہ ان دونوں حضرات نے ابن نمیرؒ کی تائید کی ہے۔**(انوار الطریق ص: ۸)** نیز ذہن میں رہے کہ علی بن حکیم الکوفیؒ **(م۲۳۷ھ)** سے یحیی الحمانیؒ کی مدح ثابت ہے ،جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

لہذا معلوم ہوا کہ ابن نمیرؒ کے ساتھ ساتھ علی بن حکیم الکوفیؒ **(م۲۳۷ھ)**،حافظ محمد بن عبداللہ الحضرمیؒ **(م۲۹۷ھ)** بھی انہیں ثقہ وصدوق تسلیم کرتے ہیں۔

مشہور ثقہ ،امام اور حافظ محمد بن ابراہیم البوشنجیؒ **(م۲۹۱ھ)**[جو کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں ،**ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذہبی** ص:۱۹۸ ،وہ]کہتے ہیں کہ امام یحیی بن عبد الحمید الحمانیؒ ثقہ ہیں۔**(تہذیب التہذیب ج:۱۱ص :۲۴۸)**،مشہور حافظ الحدیث اور صاحب سنن امام بو داؤدؒ **(م۲۷۵ھ)** کہتے ہیں کہ امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ حافظ تھے۔ **(تاریخ بغداد ج:۱۴ص:۱۷۷)**اور اہل حدیث حضرات کے نزدیک کسی راوی کو حافظ کہنا ،ثقہ کہنے سے بہتر اور اعلی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے **دوماہی مجلہ الاجماع :شمارہ نمبر:۲ص:۱۱۲)** اسی طرح امام عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ **(م۲۹۰ھ)** اور ان کے والد امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)جنکا امام یحیی بن عبدالحمیدؒ پر کلام مشہور ہے ،دونوں نے بھی امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ سے روایت لی ہے۔**(فضائل صحابہ للامام عبداللہ بن احمد :حدیث نمبر : ۱۱۰۳ ، ۱۱۰۸،مسائل احمد بروایت ابوداؤد ص:۱۰)**

غیر مقلدین ،اہل حدیث حضرات کا کہنا ہے کہ امام احمدؒ اور ان کے بیٹے عبداللہ بن احمدؒ صرف ثقہ سے ہی روا یت کرتے ہیں۔**(اتحاف النبیل: ج:۲ص:۸۸،۱۰۳)**

معلوم ہوا کہ امام عبداللہ بن احمدؒ **(م۲۹۰ھ)** کے نزیک تو امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ ثقہ ہیں۔

اور امام ابوالحسن المیمونیؒ **(م۲۷۴ھ)** [صاحب احمد بن حنبل] کی روایت میں امام احمدؒ نے یحیی بن عبدالحمیدؒ کو **"لیس بابی غسان باس"** قرار دیاہے۔**(تہذیب الکمال ج:۳۱،ص:۴۲۲)**اس سے بھی معلوم ہواکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امام یحیی بن عبدالحمیدؒ کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے ،لیکن امام احمدؒ کا ابن الحمانیؒ پر کلام مشہور ہے ،جس پر مزید بحث آگے آرہی ہے۔

الغرض یہ تو صرف ائمہ متقدمین کے حوالے ہوئے ،جن کے نزدیک امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ ثقہ ہیں۔

اب متأخرین کے حوالے بھی مختصر طور پر ملاحظہ فرمائیں !

امام ابن شاہینؒ (م ۳۸۵ھ) نے آپ کو کتاب الثقات میں شمار کیا ہے۔(**تاریخ اسماء الثقات ص:۱۵۹**)،امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ)،امام ابونعیمؒ (م ۴۳۰ھ)،امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ)،حافظ جمال الدین ابن الظاہریؒ (م ۶۹۶ھ)اور حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ)وغیرہ نے آپ کی روایات کو صحیح کہاہے۔(**المستدرک للحاکم حدیث نمبر:۵۰۸۹،۶۹۶۶،۷،المستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم ج:۱ ص:۷ ۱۳ ،۱۴۱، ۱۷۷، ۱۹۷، احادیث المختارہ ج:۱۰ص:۱۰۳،مشیخۃابن البخاری ج:۳ص:۱۶۹۸،البلدانیات للسخاوی ص:۱۰۱**)

امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کہتے ہیں کہ ”**ولیحیی الحمانی مسندصالح ویقال انه اول من صنف المسندبالکوفة ۔۔۔۔۔۔۔۔۔وتکلم فیه احمد کماذکرت ،وعلی بن المدینی ویحیی بن معین حسن الثناءعلیه وعلی ابیه وذکر ان الذی تکلم فیه تکلم من حسدولم أرفی مسنده واحادیثه احادیث مناکیر فأذکرهاو أرجو أنه لا بأس به۔**“

اور یحیی الحمانیؒ کی مسند (جس کو حافظ ذہبیؒ سیر میں مسند الکبیر کہتے ہیں ،وہ)اچھی ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کوفہ میں سب سے پہلے مسند تصنیف کی۔۔۔۔۔۔۔اور امام احمدؒ اور علی بن المدینیؒ نے ان پر کلام کیا ہے ، جیسا کہ میں نے ذکر کیا اور امام یحیی بن معینؒ ،یحیی الحمانیؒ اور ان کے والد کی تعریف کرتے اور کہتے کہ جو کوئی یحیی الحمانیؒ پر کلام کرتے ہیں ،حسد کی وجہ سے کرتے ہیں ،اور (ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ)میں نے ان کی مسند میں کوئی (ایک)منکر حدیث نہیں دیکھی، جس کو میں ذکر کروں اور ان کی طرف رجوع کروں کہ ان میں کوئی بھی خرابی نہیں ہے۔(**الکامل لابن عدی ج۹ ص:۹۸**) ابن عدیؒ نے تحقیق کے ساتھ بتایا کہ انہوں نے امام یحیی الحمانیؒ کی پوری المسند الکبیر میں کوئی منکر روایت نہیں دیکھی اور ان میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔الحمد للہ۔

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ)نے تقریب میں لکھا ہے کہ ”**حافظاالاانهم اتهموه بسرقة الحدیث**“ یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ حافظ ہیں ،مگر ان پر (بعض لوگوں نے) حدیثیں چرانے کا الزام لگایاہے۔(**تقریب رقم :۵۷۹۱**)یاد رہے کہ کسی راوی کو حافظ کہنا غیر مقلدین کے نزدیک ثقہ کہنے سے زیادہ بہتر اور اعلی ہے۔جسکا حوالہ پہلے گزر چکا ،معلوم ہو اکہ حافظؒ کے نزدیک امام یحییؒ ثقہ ہیں۔پھر حافظ ابن حجرؒ نے حدیث چرانے کے بارے میں اپنی رائے نہیں دی ،بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا

کیا کہ بعض حضرات ان پر حدیث چرانے کا الزام لگاتے ہیں ، نیز اہل حدیث حضرات کے اصول کے مطابق "اتھمو"کا فاعل (بعض لوگ) بھی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ جرح مردود ہے۔**(دوماہی مجلہ الاجماع شمارہ نمبر:۲ص:۱۰۵)**ان سب کے بعد خود حافظؒ نے یحیی بن عبدالحمیدؒ کو"مختلف فیه"قرار دیا ہے۔**(تلخیص الجبیر ج:۱ ص : ۳۲۷)** مختلف فیہ کی روایت حسن درجے کی ہوتی ہے ،جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا کہنا ہے۔**(خیر الکلام ص ۲۳۸)** معلوم ہوا کہ حافظؒ کے نزدیک بھی یحیی الحمانیؒ ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔

اسی طرح حافظؒ کے شیخ حافظ عراقیؒ **(م ۸۰۶ھ)**امام یحیی بن عبدالحمیدؒ کی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:
"هذاحديث حسن ويحيى بن عبدالحميد الحماني امام حافظ ولكن قداختلف فيه فوثقه ابن نمير و ابن معين و اختلف كلام احمدبن حنبل فوثقه مرة و نسبه مرة الى الكذب۔"

یہ حدیث حسن ہے اور یحیی بن عبد الحمید الحمانیؒ امام حافظ ہیں لیکن وہ مختلف فیہ ہیں اس لئے (کہ)انہیں ابن نمیرؒ اور ابن معینؒ نے ثقہ کہا ہے اور امام احمدؒ کا کلام ان کے بارے میں مختلف ہے اس لئے کہ انہوں نے ایک مرتبہ امام یحیی بن عبدالحمیدؒ کو ثقہ کہا ہے اور ایک مرتبہ انہیں کذاب کہا ہے۔**(الاربعون العشاریه للعراقی ص:۲۰)**اسی طرح خمسة احاديث من امالي الحافظ العراقي،مطبوع ضمن كتاب جمهرة الاجزاءالحديثيه ص: ۳۶۱،پر حافظ عراقیؒ(م ۸۰۶ھ)کہتے ہیں کہ "امايحيى بن عبدالحميدالحماني وثقه ابن معين و ابن عدي، وقال:لم أرفي مسنده من أحاديثه مناكير" جہاں تک یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ کی بات ہے تو امام ابن معینؒ اور امام ابن عدیؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اور ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی مسند میں کوئی منکر روایت نہیں دیکھی،امام یحیی بن عبد الحمیدؒ کی حدیث کو حسن کہنا اور ساری توثیق نقل کرنا یہ سب دلالت کررہی ہے کہ حافظ عراقیؒ کے نزدیک بھی امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔

شیخ فقیہ فاضل ابن العماد الحنبلیؒ**(م ۱۰۸۹ھ)**نے " **الحافظ أحد اركان الحديث**"قرار دیا ہے۔اور حافظ ذہبیؒ کی تضعیف کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "**قلت لكن وثقه ابن معين**" میں کہتا ہوں کہ لیکن ابن معینؒ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔**(شذرات الذہب ج:۳ص:۱۳۴)** ثابت ہوا کہ ابن العمادؒ کے نزدیک الحمانیؒ کو ضعیف کہنا صحیح نہیں ہے۔امام خلیلیؒ **(م ۴۴۶ھ)** فرماتے ہیں کہ "**حافظ رضيه يحيى بن معين و ضعفه غيره مخرج في الصحيحيين**"امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ حافظ ہیں،یحیی بن معینؒ ان سے راضی ہیں اور دوسرے لوگوں نے انہیں ضعیف کہا ہے ،اور (وہ) صحیحین میں موجود ہیں۔
(الارشادللخلیلی ج:۲ص:۵۷۷)

نوٹ :

ان سے مسلم نے روایت لی ہے ،بخاری میں ان کی ان کی روایت نہیں ملی۔

امام ابن الجوزیؒ(**م۵۹۷ھ**)نے بھی آپ کو ثقہ کہا ہے۔(**المنتظم لابن الجوزی ج:۱۱ص:۱۴۳**)معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک امام یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ ثقہ ہیں۔

کچھ غور طلب باتیں :

امام احمد بن حنبلؒ کاامام یحیی بن عبدالحمیدؒ کو کذاب کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب امام احمد بن حنبلؒ کو معلوم ہوا کہ امام یحیی الحمانیؒ،امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں"**حدث یحیی بن عبدالحمید عن احمد بن حنبل بحدیث عن اسحاق الازرق،عن شریک عن بیان عن قیس عن المغیرة بن شعبة عن النبی ﷺ:أبردوا با الصلاة**" جس کو یحیی بن عبدالحمید الحمانیؒ نے امام احمدؒ سے اسماعیل بن علیہؒ کے دروازے پر سنا تھا تو امام احمدؒ کہتے ہیں کہ"**کذب انما سمعته بعد ذلک**"،امام یحیی بن عبدالحمیدؒ نے جھوٹ کہا۔میں نے اس حدیث کواس کے بعد سنا ہے۔(**علل امام احمد بروایت عبداللہ رقم :۴۰۷۶،۴۰۷۷**) لیکن جب یہ بات امام یحیی بن معینؒ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ "**حدثنا احمد علی باب اسماعیل بن علیة**" امام احمدؒ نے ہم سے اسماعیل بن علیہ کے دروازے پر وہ حدیث بیان کی ہے۔(**تاریخ بغداد : ج:۱۴ص:۱۷۶**) اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام احمدؒ سے یہاں پر خطا ہوئی ہے۔

اسی طرح اس کا ایک اور جواب دیتے ہوئے مشہور ثقہ امام اور حافظ محمد بن ابراہیم البوشنجیؒ(**م۲۹۱ھ**) [جو کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں ،**ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل للذهبی ص:۱۹۸**،وہ)کہتے ہیں کہ "**لوشاء یحیی الحمانی ان یکذب لقال:حدثنا شریک،فانه قد سمع منه الکثیر**"اگر یحیی الحمانیؒ چاہتے تو (امام احمدؒ اور اسحق ازرقؒ کے ناموں کو حذف کرکے سیدھے)"**حدثنا شریک**"کہتے اس لئے کہ انہوں نے شریکؒ سے بہت سی احادیث سنی ہیں۔(لیکن انہوں نے حدثنا شریک ،نہیں کہا بلکہ اس حدیث کو امام احمدؒ عن اسحاق الازرق کے حوالے سے شریک سے بیان کیا ہے)مزید حافظ محمد بن ابراہیم البوشنجیؒ کہتے ہیں کہ "**کان یحفظ حفظا جیدا،وماهو الا صدوق**"امام یحیی الحمانیؒ مضبوط حافظے والے تھے اور سچے ہی تھے۔

(۶) ابو اسرائیل اسماعیل بن خلیفہؒ (م ۱۶۹ھ) بھی راجح قول میں معتبر ہیں۔

ابو العباس الدوری، الدارمی اور احمد بن ابی یحیٰؒ کہتے ہیں کہ امام یحیٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) نے ابو اسرائیل کو ثقہ قرار دیا ہے، اور ابن طہمانؒ، ابن محرزؒ، ابو زرعہ دمشقیؒ اور ابن الجنیدؒ کی روایت میں ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ آپ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ **(موسوعۃ اقوال یحیٰ بن معین: جلد ۱: صفحہ ۲۳۸)**[35]، امام احمد بن حنبلؒ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ **(سؤالات ابی داؤد: رقم ۴۰۸)** اور غیر مقلدین کے نزدیک

ثابت ہوا کہ امام یحیی الحمانیؒ حدیث میں صدوق تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ بھی امام یحیی الحمانیؒ سے حدیثیں بیان کی ہیں، جس کا حوالہ گزر چکا۔

نیز امام محمد بن عبداللہ بن نمیرؒ (م ۲۳۴ھ) نے بھی امام عبداللہ بن عبدالرحمن السمرقندی المعروف عبداللہ الدارمیؒ (م ۲۵۵ھ) کی جرح کا رد کیا ہے۔ **(تہذیب التہذیب ج:۱۱ص:۲۴۸)** اور حافظ ذہبیؒ کی تضعیف کا رد شیخ، فقیہ، فاضل ابن العماد الحنبلیؒ (م ۱۰۸۹ھ) نے کردیا ہے، جس کا حوالہ اوپر گزر چکا۔

اور بعض لوگوں نے امام یحیی الحمانیؒ پر شیعہ رافضی ہونے کا الزام لگایا ہے، جس کی وجہ سے انہیں جھوٹا بھی کہا گیا۔ تو عرض ہے کہ خود اہل حدیثوں کا اصول ہے کہ مسلکی تفاوت صحت حدیث کے خلاف نہیں، مثلاً جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے، اس کا قدری، شیعہ، معتزلی، جہمی ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں۔ **(نور العینین ص:۶۳)** لہذا جب امام یحیی بن عبدالحمیدؒ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ثابت ہو گئے ہیں، تو ان پر یہ رافضی ہونے کی جرح سے ان کی حدیث کی صحت پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔

لہذا اہل حدیثوں کے اصول کی روسے یہ جرح کرنا ہی فضول اور بیکار ہے۔ اور تحقیق سے بات معلوم ہوئی کہ امام یحیی الحمانیؒ حدیث میں ثقہ اور صدوق ہیں۔ واللہ اعلم

[35] ابن معینؒ سے ان کی تضعیف بھی منقول ہے، لیکن اس کی سند میں احمد بن محمد بن حماد الدولابیؒ (م ۳۱۰ھ) موجود ہے، دیکھئے، **کتاب الضعفاء للعقیلی: جلد ۱: صفحہ ۷۶، الکامل لابن عدی: جلد ۱: صفحہ ۴۶۸**، اور یہ راوی غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے۔ **(دفاع بخاری: صفحہ ۴۸۵، اللمحات: جلد ۵: صفحہ ۵۰۵، مقالات زبیر علی زئی: جلد ۱: صفحہ ۴۵۳)** معلوم ہوا کہ یہ سند غیر مقلدین کے نزدیک ابن معینؒ سے غیر ثابت ہے، جس کی وجہ سے خود غیر مقلدین کے نزدیک اس کو پیش کرنا باطل ہے، نیز اہل حدیث حضرات کے حافظ شاہد محمود کہتے ہیں کہ اگر امام یحیٰ بن معین کے شاگردوں میں کسی راوی کے بارے میں یحیٰ بن معین کے حکم میں اختلاف ہو، تو طول ملازمت کی وجہ سے عباس

امام احمدؒ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔(**انوار البدر / ۱۸۲**) نیز کہتے ہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف نہیں ہیں، اس نے (محض) احادیث میں اختلاف کیا ہے۔(**علل احمد بروایۃ عبد اللہ: رقم ۲۵۳۹**)، اور کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے۔ امام ابن عدیؒ (**م ۳۶۵ھ**) کہتے ہیں کہ عام طور سے جو ان سے روایت کیا گیا ہے وہ ثقات کے خلاف ہے اور وہ ان لوگوں میں ہیں جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ امام ابن سعدؒ (**م ۲۳۰ھ**) کہتے ہیں کہ محدثین نے انہیں صدوق کہا ہے۔ امام ابو داوٗدؒ (**م ۲۷۵ھ**) کہتے ہیں کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں، ان کی حدیث شیعوں کی نہیں ہے اور نہ ان کی حدیث میں کچھ نکارت ہے۔ امام ابو زرعہؒ انہیں صدوق کہتے۔ امام فلاسؒ (**م ۲۴۳ھ**) بھی کہتے ہیں کہ وہ جھوٹوں میں سے نہیں ہیں۔(**اکمال تہذیب الکمال: جلد ۲: صفحہ ۱۶۵، تہذیب الکمال: جلد ۳: صفحہ ۷۸**)۔ امام ابو حاتمؒ (**م ۲۷۷ھ**) انہیں حسن الحدیث اور جید اللقاء کہتے ہیں۔[36] حافظ ہیثمیؒ (**م ۸۰۷ھ**) نے بھی آپ کو حسن الحدیث کہا ہے۔(**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۶۸۷۵**)۔ امام یعقوب بن سفیانؒ (**م ۲۷۷ھ**) بھی آپ کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام حاکمؒ (**م ۴۰۵ھ**) اور امام ابو عوانہؒ (**م ۳۱۶ھ**) نے ان کی روایت کو صحیح کہا ہے۔(**اکمال تہذیب الکمال: جلد ۲: صفحہ ۱۶۵، المستدرک للحاکم: جلد ۳: صفحہ ۱۱۲، حدیث نمبر ۴۵۵۹، صحیح ابی عوانہ: جلد ۲۰: صفحہ ۳۵۰، حدیث نمبر ۱۱۷۶۰**) اور محدثین کا کسی حدیث کی تصحیح و تحسین کرنا، غیر مقلدین کے نزدیک اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے، جیسا کے پہلے حوالے گزر چکے، امام سفیان بن عیینہؒ (**م ۱۹۸ھ**) نے بھی آپ کو ثقہ، کوفی قرار دیا ہے۔(**المعرفہ والتاریخ: جلد ۳: صفحہ ۲۴۱**) امام ابن شاہینؒ (**م ۳۸۵ھ**) نے آپ کو کتاب الثقات میں شمار کیا ہے۔(**تاریخ اسماء الثقات: رقم ۲۴**)

الدوری کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔(**دفاع بخاری: (حاشیہ): صفحہ ۴۸۶**) اور یہاں پر عباس الدوریؒ کے طریق میں ابن معینؒ نے ابو اسرائیلؒ کو ثقہ کہا ہے، جیسا کہ ان کی توثیق کے ذیل میں گزر چکا۔

لہذا خود اہل حدیثوں کے اصول کی روشنی میں ابن معینؒ کی توثیق کو ہی ترجیح ہو گی۔

[36] ابو حاتمؒ نے ان کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ 'لہ أغالیط، لا یحتج بحدیثہ'۔(**الجرح والتعدیل: جلد ۲: صفحہ ۱۶۶**) لیکن چونکہ موسیٰ بن طلحہؒ (**م ۱۰۳ھ**) سے بھی یہی روایت مروی ہے، لہذا یہاں پر ابو اسرائیل نے خطا نہیں کی، پھر ارشاد الحق اثری صاحب ' **لا یحتج بحدیثہ** ' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ جرح باعث ضعف قطعاً نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جرح قابل اعتبار (بھی) نہیں۔(**توضیح الکلام: صفحہ ۳۸۹**) نیز علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق جب جمہور نے ان کی توثیق کی ہے، تو اس کے مقابلہ میں ہر ایک کی جرح مردود ہے۔ (**مقالات: جلد ۶: صفحہ ۱۴۳**) لہذا ان کے الفاظ سے خود اہل حدیثوں کے نزدیک ضعف ثابت نہیں ہوتا۔

نوٹ: ان پر جرح ان کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔[37]

(۷) فضیل بن عمرو الکوفیؒ **(م ۱۱۰ھ)** صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۴۳۰)**

(۸) امام مجاہدؒ **(م ۱۰۴ھ)** مشہور مفسر اور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۴۸۱)**

(۹) عبد اللہ بن عمرؓ مشہور صحابی ہیں۔ **(تقریب)** لہذا یہ سند حسن درجہ کی ہے۔

معلوم ہوا کہ تاریخ اصبہان والی روایت میں عمرو بن محمد بن الحسن منفرد نہیں ہیں، بلکہ صحیح مسلم کے ثقہ راوی، حافظ یحیٰ بن عبد الحمید الحمانیؒ **(م ۲۲۸ھ)** ان کے متابع موجود ہیں۔ لہذا عمرو بن محمود بن الحسن پر جرح بیکار ہے۔

متابع نمبر ۳:

امام ابو عبید القاسم بن سلامؒ **(م ۲۲۴ھ)** فرماتے ہیں کہ:

فإن علي بن ثابت, وعبد الرحمن حدثانا عن المسعودي، عن القاسم بن عبد الرحمن، عن موسى بن طلحة قال: من مسح قفاه مع رأسه وقي الغل يوم القيامة۔ موسیٰ بن طلحہؒ **(م ۱۰۳ھ)** کہتے ہیں کہ جس نے اپنے کے ساتھ اپنی گدی کا بھی مسح کیا، تو وہ قیامت کے دن (گردن میں) طوق پڑنے سے محفوظ رہے گا۔ **(کتاب الطہور: صفحہ ۳۷۴۔۳۷۵)**، اس کی سند صحیح ہے۔

سند کے رواۃ کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے:

(۱) امام ابو عبید القاسم بن سلّامؒ **(م ۲۲۴ھ)** ثقہ راوی ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۴۶۲)**

---

[37] ابو اسرائیل کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھلا برا کہتے تھے۔ (یہ بات ان سے صحیح سند کے ساتھ نہیں ملی، واللہ اعلم) اسی وجہ سے ان پر جرح ہوئی اور بعض نے کذاب اور متروک الحدیث تک قرار دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے انہیں صدوق، ثقہ و حسن الحدیث تسلیم کیا ہے۔

* بعض نے ان کو '**لیس بالقوی**' کہا ہے، لیکن ان الفاظ سے غیر مقلدین کے نزدیک راوی کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں کہ لیس بالقوی کی جرح قادح نہیں ہے اور اس سے راوی کا عام معنیٰ میں ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ **(مسنون تراویح: صفحہ ۹۶)** رئیس ندوی صاحب اسے جرح غیر قادح کہتے ہیں۔ **(رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۶۶۷)**، ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ لیس بالقوی بہت ہلکی جرح ہے۔ **(توضیح الکلام: صفحہ ۲۱۸)** اسی کتاب کے **صفحہ: ۱۶۹** پر لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ بھی کوئی قابل اعتماد جرح نہیں۔ لہذا یہ جرح خود غیر مقلدین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

(۲) علی بن ثابت الجزری ثقہ راوی ہیں۔(اکمال تہذیب الکمال: جلد۹: صفحہ ۲۸۳)، پھر ان کے متابع میں امام عبد الرحمن بن مہدیؒ (م۱۹۸ھ) بھی موجود ہیں جو کہ سید الحفاظ، ثقہ، مضبوط اور رجال اور حدیث کے جاننے والے ہیں۔(تقریب: رقم ۴۰۱۸)

(۳) المسعودیؒ جن کا پورا نام عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عتبہؒ ہے، جمہور کے نزدیک ثقہ، صدوق راوی ہیں[38]، مگر آخر میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا۔(تقریب: رقم ۳۹۱۹، تہذیب التہذیب: جلد۶: صفحہ ۲۱۰) لیکن ابن مہدیؒ نے ان سے اختلاط سے پہلے روایت لی ہے۔ لہذا ان کا سماع صحیح ہے۔[39]

---

[38] **اعتراض اور اس کا جواب:**

غیر مقلد عبد الوارث اثری صاحب نے المسعودیؒ (م۱۶۰ھ) پر ہی جرح کر دی۔(گردن کا مسح: صفحہ ۲۰) حالانکہ جمہور محدثین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے (تہذیب التہذیب: جلد۶: صفحہ ۲۱۰) اور خود اہل حدیثوں کا اصول ہے کہ جمہور کے مقابلہ ہر شخص کی بات مردود ہے۔(مقالات: جلد۶: صفحہ ۱۴۳)

لہذا عبد الوارث اثری کی بات مردود ہے۔

[39] **اعتراض:**

رئیس احمد سلفی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے صراحت کی ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی کا مسعودی سے سماع اختلاط کے بعد والی حدیثوں کا ہوا ہے۔(رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۱۰۶)، عبد الوارث ضیاء الرحمن اثری صاحب نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (گردن کا مسح: صفحہ ۲۱)

الجواب:

اول تو ابن حجرؒ نے صراحت نہیں کی، بلکہ حافظ محمد بن عبد اللہ بن نمیرؒ (م۲۳۴ھ) نے اس کی ہے، ان کے پوری الفاظ ملاحظہ فرمایئے : **المسعودي كان ثقة، فلما كان بأخره اختلط، سمع عبد الرحمن بن مهدي ويزيد بن هارون أحاديث مختلطة، وما روى عنه الشيوخ فهو مستقيم.** یعنی ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ مسعودیؒ ثقہ ہیں، پھر اخیر میں مختلط ہو گئے تھے، اور ابن مہدی اور یزید بن ہارون نے ان سے کچھ مختلط احادیث سنی ہیں اور جو بڑے راویوں نے ان سے روایت کیا ہے، وہ صحیح سالم ہیں۔(الجرح والتعدیل: جلد۵: صفحہ ۲۵۱، واسنادہ صحیح) بقول رئیس صاحب کے اگر مان لیں، تو اس سے صرف ابن مہدیؒ کا اختلاط کے بعد ان سے احادیث سننا ثابت ہوتا ہے، جس کی حقیقت آگے آ رہی ہے۔ لیکن عبد الرحمن بن مہدیؒ کے متابع میں علی بن ثابت الجزریؒ (ثقہ، صدوق) اور حجاج بن محمد الاعورؒ (م۲۰۶ھ) (ثقہ، مضبوط، حافظ) وغیرہ بڑے راوی موجود ہیں۔(کتاب الطہور: صفحہ ۳۷۴، ۳۷۵) اور خود رئیس کے پیش کردہ قول میں صراحت ہے کہ '**وما روى عنه الشيوخ فهو مستقيم**' ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ جو بڑے راویوں نے ان سے روایت کیا ہے، وہ صحیح سالم ہے۔ معلوم ہوا کہ رئیس صاحب کے پیش کردہ قول سے ہماری روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ جس قول سے ابن مہدیؒ کا اختلاط کے بعد سننا ثابت ہوتا ہے، اسی قول سے علی بن ثابتؒ اور حجاجؒ کا اختلاط سے پہلے سننا ثابت ہوتا ہے۔

نوٹ:

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت اس طرح موجود ہے:

کل من سمع المسعودي بالکوفه فهو جيد مثل وکيع، وأبي نعيم، وأما يزيد بن هارون، وحجاج، ومن سمع منه ببغداد فهو في الاختلاط۔ (العلل للامام احمد بروایۃ عبد اللہ: رقم ۴۱۱۴)، غور فرمایئے! اس روایت میں صرف حجاج لکھا ہے، اس سے کون سے حجاج مراد ہیں، اس کا کوئی ذکر نہیں، کیونکہ مسعودیؒ کے شاگردوں میں ۲ راوی حجاجؒ کے نام سے ہیں، ایک حجاج بن محمد الاعورؒ **(م ۲۰۶ھ)** دوسرے حجاج بن نصیر البصریؒ **(م ۲۱۴ھ)** ہیں، لہذا یہ جرح غیر متعین ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔

دوم یہ کہنا کہ ابن مہدیؒ کا سماع اختلاط کے بعد ہوا، دلائل اور تحقیق کی روشنی میں صحیح نہیں ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام ابو حاتمؒ **(م ۲۷۷ھ)** کہتے ہیں کہ: ''تغير بأخرة قبل موته بسنة أو سنتين ''مسعودیؒ آخیر عمر میں اپنی موت سے ایک سال یا دو سال پہلے مختلط ہو گئے تھے۔ **(الجرح والتعدیل: جلد ۵: صفحہ ۲۵۱-۲۵۲)** ابو قتیبہ بن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ ' **رأيت المسعودي سنة ثلاث وخمسين، وكتبت عنه وهو صحيح، ورأيته سنة سبع وخمسين والذر يدخل في أذنه، وأبو داود يكتب عنه، فقلت له: أتطمع أن تحدث عنه وأنا حي؟** 'میں نے مسعودیؒ کو ۵۳ھ (یعنی ۱۵۳ھ) دیکھا، تو میں نے ان سے روایت لکھی ہے، اور وہ صحیح سالم تھے، پھر میں نے ان کو (۱۵۷ھ) میں دیکھا تو ان کے کانوں میں غبار و میل داخل ہو گیا تھا۔ (یعنی وہ بوڑھے ہو گئے تھے) اور امام ابو داؤد طیالسیؒ **(م ۲۰۴ھ)** نے اس نے روایت لی ہے، تو میں نے ابو داؤد سے کہا کہ کیا آپ ان سے روایت کرنے کے لالچی ہیں، جبکہ میں زندہ ہوں (یعنی آپ مجھ سے روایت کرے)؟ **(الضعفاء الکبیر للعقیلی: جلد ۲: صفحہ ۳۳۶**، واسنادہ صحیح)

اس کی سند میں محمد سے مراد محمد بن عیسیٰ ابو علی الھاشمی ہے، جو کہ ثقہ راوی ہے، **الضعفاء الکبیر للعقیلی: جلد ۱: صفحہ ۷۶، ۱۳۸، تاریخ بغداد: جلد ۳: صفحہ ۲۰۶** اور عمرو بن علی سے مراد حافظ عمرو بن علی الفلاسؒ **(م ۲۴۹ھ)** ہیں، جو کہ ثقہ حافظ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۰۸۱)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسعودیؒ **۱۵۷ھ تک** صحیح سالم تھے اور ابو قتیبہؒ نے بھی امام ابو داؤد طیالسیؒ کو ان سے روایت لکھنے پر یہ بالکل بھی نہیں کہا کہ وہ مختلط ہو چکے تھے، میں نے ان سے اختلاط سے پہلے روایت کیا۔ لہذا مجھ سے روایت کرو، جبکہ وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ ابو داؤد ان سے روایت کریں، جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے، لیکن انہوں (امام ابو داؤد طیالسیؒ) نے ایسا نہیں کہا۔
معلوم ہوا کہ مسعودیؒ **۱۵۷ھ** بالکل صحیح سالم تھے۔

امام معاذ بن معاذ العنبری: **(م ۱۹۶ھ)** کہتے ہیں:

'قدم علينا المسعودي قدمتين: البصرة يملي علينا إملاء، قال: ثم لقيت المسعودي ببغداد سنة أربع وخمسين، وما أنكر منه قليلا ولا كثيرا، فجعل يملي علي ثم أذن لي في بيته ومعي عبد الله بن عثمان، ما ننكر منه قليلا ولا كثيرا، قال: ثم قدمت عليه قدمة أخرى مع عبد الله بن حسن، فقلت لمعاذ: سنة كم؟ قال: سنة إحدى وستين، فقال يحيى بن سعيد لمعاذ وهو إلى جنبه: خرجت قبل

أن يقدم سفيان، فقال معاذ: قبل سفيان بسنة أو نحو ذلك، فقالوا: دخل عليه فذهب ببعض متاعه فأنكروه آنذاك، قال معاذ: فتلقانا يوما فسألته عن حديث للقاسم فأنكره، وقال: ليس من حديثي، قال: ثم رأيت رجلا جاءه بكتاب عمرو بن مرة عن إبراهيم، فقال: كيف وفي كتابك؟ قال: عن علقمة قال: وجعل يلاحظ كتابه، قال معاذ: فقلت له: إنك إنما حدثتناه عن عمرو بن مرة، عن إبراهيم، عن عبد الله؟ قال: فهو عن علقمة، فقال يحيى بن سعيد وهو إلى جنب معاذ، وذلك في صفر سنة ستين ومائة: آخر ما لقيت المسعودي سنة سبع أو ثمان وأربعين، ثم لقيته بمكة سنة ثمان وخمسين، وكان عبد الله بن عثمان ذاك العام معي، وعبد الرحمن بن مهدي، قال يحيى: ولم أسأله عن شيء‘‘(الضعفاء الکبیر للعقیلی: جلد ۲: صفحہ ۳۳۶، واسنادہ صحیح)

مسعودی ہمارے یہاں بصرہ دو مرتبہ آئے، جس میں انہوں حدیثیں املاء کرائیں، کہتے ہیں: پھر میں مسعودی سے بغداد میں **۱۵۴ھ** میں ملا اس وقت میں نے ان میں کوئی بھی تغیر نہیں پایا، وہ مجھے حدیثیں لکھوانے لگے، پھر مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دی، میرے ساتھ عبد اللہ بن عثمان بھی تھے، ہم نے ان میں کوئی تغیر نہیں پایا، کہتے ہیں، پھر میں ایک مرتبہ اور ان کے پاس گیا عبد اللہ بن حسن کے ساتھ، میں نے معاذ سے پوچھا کس سن میں؟ انہوں نے کہا **۱۶۱ھ** میں، یحیٰ بن سعید جو معاذؒ کے بغل میں تھے، کہنے لگے: سفیان کے آنے سے پہلے تم گئے تھے، تو معاذؒ نے کہا، سفیان کے آنے سے تقریباً سال بھر پہلے، تو محدثین نے کہا وہ ان کے پاس آئے اور ان کا کچھ سامان لے کر چلے گئے، اس وقت محدثین نے انہیں بدلا ہوا پایا، معاذؒ نے کہا، پھر ایک روز ہماری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے قاسم کی حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے انکار کیا، اور کہا وہ میری (روایت کردہ) حدیث میں سے نہیں ہے، معاذ کہتے ہیں: پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا وہ عمرو بن مرۃ کی کتاب لے کر آئے جو عمرو بن مرۃ نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا تھا، اور اس (شخص) نے کہا: آپ کی کتاب میں کس طرح ہے؟ تو مسعودی نے کہا علقمہ سے مروی ہے، اور کنکھیوں سے اپنی کتاب دیکھنے لگے، معاذ کہتے ہیں، میں نے ان سے کہا: آپ نے تو ہمیں عمرہ بن مرۃ عن ابراہیم عن عبد اللہ کی سند سے بیان کیا ہے، (یعنی علقمہ کا واسطہ نہیں ہے) تو مسعودی نے کہا کہ وہ علقمہ کے واسطہ سے ہے، تو یحیٰ بن سعید جو معاذ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے یہ بات **۱۶۰ھ ماہ صفر** کی ہے، آخری مرتبہ میں **۱۴۷ھ** یا **۱۴۸ھ** میں ملا (شاید اس سے مراد یہ ہے کہ میں مسعودی سے ان کے وطن میں آخری مرتبہ اس سن میں ملا، واللہ اعلم)، پھر **۱۵۸ھ** میں، مکہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی، اس سال عبد اللہ بن عثمان اور عبد الرحمن بن مہدیؒ میرے ساتھ تھے، یحیٰ کہتے ہیں: (جب مکہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی تو) میں نے ان سے (معاذؒ کی طرح) کچھ نہیں پوچھا۔ (یعنی میں نے ان کو صحیح وسالم پایا)

نوٹ: الضعفاء الکبیر للعقیلی کے مطبوعہ نسخہ میں یحیٰ بن سعیدؒ کے قول میں ’’**وذلك في صفر سنة ستين ومائة**‘‘ کے بجائے ’’**وذلك في صفر سنة تسعين ومائة**‘‘ آگیا ہے۔ جب کہ صحیح ’’**وذلك في صفر سنة ستين ومائة**‘‘ ہے۔ کیونکہ **(۱۶۰ھ)** میں مسعودیؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ لہذا ’**وذلك في صفر سنة سبعين ومائة**‘‘ کاتب کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم

اس سے معلوم ہوا کہ ابن مہدیؒ نے **۱۵۸ھ** میں مسعودی سے مکہ میں ملاقات کی، اور امیر المؤمنین فی الحدیث، امام یحیٰ بن سعید القطانؒ **(۱۹۸ھ)** نے ان سے کسی چیز کے تعلق سے کوئی سوال نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ان کو مسعودی کی حالت بدلی ہوئی نظر آتی، تو وہ ضرور بالضرور معاذ بن معاذ کی طرح ان سے سوالات کرتے، تاکہ ان کا اختلاط ظاہر ہو جائے، لیکن جیسا کہ خود امام صاحبؒ نے صراحت کی ہے

(۴) قاسم بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعودؒ(**م ۱۲۰ھ**) جو کہ حضرت ابن مسعودؓ کے پوتے ہیں، صحیح بخاری کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۴۶۹)**

(۵) موسیٰ بن طلحہؒ (**م ۱۰۳ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ جلیل ہیں۔ **(التقریب: رقم ۶۹۷۸)**

نوٹ نمبر ا:

امام موسیٰ بن طلحہؒ(**م ۱۰۳ھ**) کے بارے میں امام المحدثین، الحافظ الکبیر ابو القاسم ابن العساکرؒ(**م ۵۷۱ھ**) فرماتے ہیں کہ '**ولد في العهد النبيّ صلّی اللّٰہ علیه وآله وسلم فسمّاه**' آپ ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، تو حضور ﷺ نے آپ کا نام رکھا۔

معلوم ہوا کہ آپ صحابیؓ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن حجر عسقلانیؒ(**م ۸۵۲ھ**) کو تقریب میں کہنا پڑا کہ '**یقال (ولد) فی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم**' کہا گیا ہے کہ آپ حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے۔ **(تقریب: رقم ۶۹۷۸)**

نیز آپ کو 'الاصابۃ' میں شمار کیا ہے۔ **(جلد ۶: صفحہ ۲۱۰، تاریخ دمشق لابن عساکر: جلد ۶۰: صفحہ ۴۲۲)**

یہ روایت بھی تاریخ ابی نعیم کی روایت کی تائید کر رہی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو نعیم کی روایت بھی مقبول ہے۔

کہ میں نے ان سے کسی چیز کے تعلق سے کچھ نہیں پوچھا، مطلب وہ مسعودی کی حالت سے راضی تھے۔ اور **(تاریخ بغداد: جلد ۱۰: صفحہ ۲۱۶)** پر موجود روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مہدیؒ نے مسعودیؒ سے اس مکہ کی ملاقات میں روایت سنی ہے۔

الغرض یہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مہدیؒ نے مسعودی سے ان کے اختلاط سے پہلے سماع کیا تھا۔ لہذا ابن نمیرؒ کی بات غیر صحیح ہے۔

نیز ان ساری تفصیل سے امام ابو حاتمؒ کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ مسعودیؒ کا اختلاط ان کی وفات سے ایا ۲ سال پہلے ہی ہوا تھا، کیونکہ **۱۵۸ھ** میں ابن مہدیؒ کے سماع کے وقت وہ صحیح الحال تھے، اور ان کی وفات **۱۶۰ھ** میں ہوئی ہے۔ لہذا یا تو ابن مہدیؒ کے سماع کے بعد ان کی حالت تبدیل ہوئی یا وفات سے ایک سال پہلے وہ مختلط ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

بہر حال ابن مہدیؒ نے ان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا تھا، جس کی وجہ سے یہ روایت صحیح ہے، اور رئیس ندوی اور عبد الوارث مدنی کا اعتراض مردود ہے۔

نوٹ نمبر ۲:

یہ روایت حکماً مرفوع ہے، کیونکہ صحابی اپنی رائے سے یہ بات نہیں بتا سکتے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

تاریخ ابی نعیم اور ابن فارس کی روایت پر ابو صہیب داؤد ارشد صاحب، انوار خورشید صاحب کو جواب دیتے ہیں کہ آپ نے 'عنق' کا معنی گردن کر کے اس سے مراد گدی لیا ہے، جو روایت کے الفاظ میں تحریفِ معنوی ہے۔**(حدیث اور اہل تقلید: جلد ۱: صفحہ ۲۳۸)**

الجواب:

خود داؤد ارشد صاحب لکھتے ہیں کہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ ایک روایت دوسری روایت کی تفسیر کرتی ہے۔**(دین الحق: جلد ۱: صفحہ ۶۶۹)**، زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث خود حدیث کی تشریح کرتی ہے۔**(نور العینین: صفحہ ۱۲۵)**

اہل حدیث حضرات کے اسی اصول کی روشنی میں تاریخِ ابی نعیم اور ابن فارس کی روایت میں موجود لفظ **'عنق'** کی یہ تفسیر موسیٰ بن طلحہؓ کی روایت میں موجود لفظ **'قفا'** کر رہا ہے کہ **'عنق'** سے **'قفا'** مراد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خود اہل حدیث عالم عبد الوارث ضیاء الرحمن اثری صاحب نے **'عنق'** کا ترجمہ گدی کیا ہے۔**(گردن کا مسح: صفحہ ۲۰)**[40]

لہٰذا یہ داؤد صاحب کا اعتراض خود ان کے اصول کی روشنی میں مردود ہے۔

اسکین: گردن کا مسح

[40] نیز، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ **رسول اللہ ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: صفحہ ۱۰۷** پر رئیس صاحب کا اعتراض (کہ 'قفا' کا معنیٰ لغت میں سر کا پچھلا حصہ بتلایا گیا ہے، اس اعتبار سے 'قفا' سر کا ہی ایک جزء ہے) بھی مردود ہے، کیونکہ 'قفا' سے یہاں مراد گدی ہے، جیسا کہ خود اہل حدیثوں کے عالم نے تسلیم کیا ہے۔

گردن کا مسح
ایک تحقیقی جائزہ

عبدالوارث ضیاء الرحمن اثری
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

مکتبۃ الفہیم

گردن کا مسح 20 مکتبة الفهيم منو

ہے اور یہ سنت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے (پھر حافظ نے کہا ہے) ابن الصلاح کا قول: یہ بعض سلف کا قول ہے۔ یہ احتمال رکھتا ہے کہ ان کی مراد وہ روایت ہو جس کو ابوعبید نے "کتاب الطہور" (۳۸۶/۱۹۲ كما في التعليق على التلخيص) میں بایں سند روایت کیا ہے:

عن عبد الرحمن بن مهدى عن المسعودى عن القاسم بن عبد الرحمن عن موسى بن طلحة قال: من مسح قفاه مع راسه وقي الغل يوم القيامة.

جو شخص اپنے سر کے ساتھ اپنی گدی کا مسح کرے گا وہ روز قیامت بیڑی سے محفوظ رہے گا۔

ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس میں احتمال ہے کہ کہا جائے کہ یہ اگر چہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیوں کہ یہ چیز رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ لہذا یہ مرسل حدیث ہوئی۔

میں کہتا ہوں: ہاں؛ لیکن یہ بات روایت کے ثبوت پر موقوف ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند میں مسعودی ہے اس کا پورا نام یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود ہذلی کوفی، کبار ائمہ میں سے ہے۔ امام ذہبی اس کے متعلق فرماتے ہیں: سئ الحفظ (حافظہ کا خراب) ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: اس کی حدیث خلط ملط ہو گئی اور الگ نہ ہو سکی جس کی وجہ سے یہ ترک کا مستحق قرار پایا۔ (المیزان ۲/ ۲۹۸)

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں: محمد بن عبداللہ بن نمیر نے کہا ہے:

آخری دلیل:

الامام الحافظ ابو احمد ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا مُحمد بْنُ أَحْمَدَ بْنِ فَرُّوخٍ، حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا مُحمد بْنُ الحسن بْنِ مُخْتَارٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ، فَوَضَّأَنِي جِبْرِيلُ فَرْضَ الْوُضُوءِ، وَسَنَنْتُ أَنَا فِيهِ الاسْتِنْجَاءَ وَالْمَضْمَضَةَ وَالاسْتِنْشَاقَ وَغَسْلُ الأُذُنَيْنِ وَتَخْلِيلُ اللِّحْيَةِ وَمَسْحُ الْقَفَا، وَهو أَسْبَغُ الْوُضُوءِ.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: مجھے وضو کا حکم دیا گیا، تو مجھے جبریل نے فرض وضو کرایا، اور میں اس میں (چند چیزیں) سنت قرار دیتا ہوں: استنجاء کرنا، کلّی کرنا، ناک صاف کرنا، دونوں کان دھونا، ڈاڑھی کا خلال کرنا، اور گدی پر مسح کرنا، یہ مکمل وضو ہے۔ (**الکامل لابن عدی: جلد ۱: صفحہ ۳۶۱۔۳۶۲**، واسنادہ حسن)[41]

---

[41] رواۃ کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) امام ابو احمد بن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) مشہور امام، ثقہ اور حافظ ہیں۔ (**کتاب الثقات للقاسم: جلد ۶: صفحہ ۶۵**)

(۲) محمد بن فروخؒ سے مراد محمد بن اسحٰق بن فروخؒ ہے، جو کہ ثقہ ہیں۔ (**الکامل لابن عدی: جلد ۲: صفحہ ۲۵۳، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۸: صفحہ ۱۷۲**)

(۳) امام ابو زرعہ رازیؒ (م ۲۸۱ھ) ثقہ، حافظ، مصنف ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۶۹۵**)

(۴) محمد ابن الحسن بن مختارؒ (م ۲۲۱ھ) بھی ثقہ ہیں۔ (**کتاب الثقات للقاسم: جلد ۸: صفحہ ۲۴۰**)

(۵) مسلم بن خالدؒ حسن الحدیث ہیں۔

امام یحیٰ بن معینؒ، امام احمد بن یونسؒ، امام شافعیؒ، امام دار قطنیؒ، امام ابن شاہینؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (**تہذیب التہذیب: جلد ۱۰: صفحہ ۱۲۹، اکمال فی تہذیب الکمال: جلد ۱۱: صفحہ ۱۷۲، مسند شافعی: جلد ۲: صفحہ ۱۳، فتح المغیث: جلد ۲: صفحہ ۴۰، تاریخ ابن خیثمۃ: جلد ۱: صفحہ ۲۶۷**) امام ابن خراطؒ، امام ابن کثیرؒ اور امام ابن قطانؒ، ان کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (**الاحکام الوسطیٰ: جلد ۴: صفحہ ۱۵۸، البدایہ والنہایۃ: جلد ۳: صفحہ ۹۱، بیان الوھم: جلد ۵: صفحہ ۶۲۴**) یعنی معلوم ہوا کہ ابن خراطؒ، ابن کثیرؒ، اور ابن قطانؒ کے نزدیک مسلم بن خالد میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ امام بزارؒ اور امام ابن منیرؒ فرماتے ہیں کہ مسلم بن خالد میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (**مسند بزار: جلد ۱۱: صفحہ ۳۵۹، سؤالات ابن الجنید: رقم ۸۸۴**) امام ابن معینؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آپؒ نے فرمایا کہ: سألت يحيى عن مسلم بن خالد الزنجي، فقال: ثقة ثقة ولكن ليس بحجة۔ (**شرح علل ترمذی: جلد ۱: صفحہ ۶۹**) قال ابن أبي حاتم: مسلمَ الزَّنْجِي إمام في الفقه والعلم، وقال إبراهيم الحربي: كان فقيهَ أهلِ مكةَ، وقدو فقه يحيى بن معين في رواية، وقال أحمد بن محمد بن الوليد: كان فقيهاً عابداً يصوم الدهر۔ (**تہذیب التہذیب: جلد ۱۰: صفحہ ۱۲۹، سیر اعلام النبلاء: ج ۷ : ص ۲۲۸**)
امام ابن الملقنؒ فرماتے ہیں کہ: إِمَامُ أهل مَكَّة ومفتيها۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ وہ مختلف فیہ ہے۔ (**البدر المنیر: جلد ۶: صفحہ ۲۴۷**) امام بوصیریؒ آپ کی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: هَذَا إِسْنَاد حسن مُسلم بن خَالِد مُخْتَلف فِيهِ۔ (**مصباح الزجاجۃ: جلد ۳: صفحہ ۱۹۸**) اور مختلف فیہ کی روایت غیر مقلدین کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔ (**خیر الکلام: صفحہ ۲۳۸**) امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: صدوق في حفظه مقال۔ (**موافقۃ الخبر لابن حجر: جلد ۱: صفحہ ۲۷۶**) نیز، آپؒ کی حدیثوں کو ابن حجرؒ نے صحیح بھی کہا ہے۔ (**موافقۃ الخبر لابن حجر: جلد ۲: صفحہ ۱۴۴، جلد ۲: صفحہ ۴۱۹**) اور حسن بھی کہتے ہیں۔ (**فتح الباری: جلد ۲: صفحہ ۱۴۹**) امام ابو احمد ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ ان کے طرف رجوع کرو، ان میں کوئی خرابی نہیں ہے، اور وہ حسن الحدیث ہیں۔ (**الکامل لابن عدی: جلد ۸: صفحہ ۱۱**) قال الذهبي في سير: قُلْتُ: بَعْضُ النُّقَّادِ يَرْقَى حَدِيْثَ مُسْلِمٍ إِلَى دَرَجَةِ الحَسَنِ. (سير: ج ۷: ص ۲۲۸) قال الحاكم: مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ الزِّنْجِيُّ إِمَامُ أَهْلِ

مَكَّةَ وَمُفْتِيهِمْ۔ امام ابن الجارودؒ، امام ابن خزیمہؒ، امام ابو عوانہؒ، امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ، اور امام ذہبیؒ، وغیرہ نے ان کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔(**المنتقیٰ لابن الجارود: حدیث نمبر ۶۲۶، صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ۱۴۰۰، ۲۲۰۸، صحیح ابو عوانہ: حدیث نمبر ۴۲۹۰، ۵۴۹۴، صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۴۸۳، ۶۷۲۳، المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبیؒ: جلد ۱: صفحہ ۱۵۷، حدیث نمبر ۲۸۱**) نیز، امام ترمذیؒ اور امام ہیثمیؒ نے آپؒ کی روایت کو حسن کہا ہے۔(**سنن ترمذی: حدیث نمبر ۱۲۸۶، مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۵۰۷۵**) اور غیر مقلدین کا اصول گزر چکا کہ کوئی محدث کا کسی حدیث کی تصحیح یا تحسین کرنا، اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک یہ ائمہ نے مسلم بن خالدؒ کی توثیق کی ہے۔ لہٰذا آپؒ جمہور کے نزدیک ثقہ ہے، اور یاد رہے کہ غیر مقلدین اہل حدیث حضرات کا اصول ہے کہ جمہور کی توثیق کے بعد ہر شخص یا بعض اشخاص کی جرح مردود ہے۔(**مقالات: جلد ۶: صفحہ ۱۴۳**)

(۶) محمد بن عبد الرحمن ابن ابی ذئبؒ(**م ۱۵۹ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ، فاضل اور فقیہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۶۰۸۲**)

(۷) امام زہریؒ(**م ۱۲۵ھ**) مشہور امام، فقیہ ہیں، جن کی جلالت وثقاہت پر اتفاق ہے۔(**تقریب: رقم ۶۲۹۶**)

نوٹ: امام زہریؒ(م ۱۲۵ھ) کی تدلیس غیر مقلدین کے نزدیک قابل قبول ہے۔(**دوماہی الاجماع مجلہ: ش ۱: ص ۳**)

(۸) امام ابو سلمۃ بن عبد الرحمنؒ(**م ۱۰۴ھ**) صحیحین کے راوی ہے اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۸۱۴۲**)

(۹) عبد الرحمن بن صخر جو کہ ابو ہریرۃؓ کے نام سے مشہور ہیں، مشہور حافظ الصحابۃ ہیں۔(**تقریب، الکاشف**) لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

نوٹ:

امام ابن عدیؒ(**م ۳۶۵ھ**) نے اس کی ایک اور سند بھی بیان فرمائی ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

حَدَّثَنَا عَبدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ الْمَوْصِلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ الْجَرْجَرَائِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بنُ أبي يَحْيى، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ، فَوَضَّأَنِي جِبْرِيلُ فَرْضَ الْوُضُوءِ، وَسَنَنْتُ أَنَا فِيهِ الاستِنْجَاءَ وَالْمَضْمَضَةَ وَالاسْتِنْشَاقَ وَغَسْلُ الأُذُنَيْنِ وَتَخْلِيلُ اللِّحْيَةِ وَمَسْحُ الْقَفَا، وَهو أَسْبَغُ الْوُضُوءِ.

سند کے راویوں کی تحقیق درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن عدیؒ کا ذکر اوپر گزر چکا۔

نیز، اب گردن کے مسح کے سلسلہ میں فقہاء اور محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

(۱) امام عبد اللہ بن احمدؒ (م ۲۹۰ھ) فرماتے ہیں کہ 'رأيته إذا مسح برأسه وأذنيه مسح قفاه' میں نے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کو دیکھا کہ جب آپؒ نے سر اور اپنے دونوں کانوں کا مسح فرماتے، تو اس کے ساتھ اپنی گدّی کا بھی مسح کرتے۔ **(مسائل احمد بروایۃ عبد اللہ: رقم ۹۰)**

معلوم ہوا کہ امام احمدؒ کے نزدیک گدی پر مسح کرنا صحیح ہے۔

---

(۲) عبد اللہ بن ابی سفیانؒ ثقہ ہے۔ **(کتاب الثقات للقاسم: جلد ۶: صفحہ ۲۸)**

(۳) ابو زید الجرجرائیؒ ہیں، جن کا ذکر امام ابن عدیؒ نے کیا ہے، لیکن ان کی تضعیف نہیں کی، اور غیر مقلدین کے نزدیک جس راوی کو ابن عدیؒ ذکر کرے اور پھر ان کی تضعیف نہ کریں، تو ایسا راوی امام ابن عدیؒ کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔ **(انوار البدر: صفحہ ۲۲۵)** لہذا غیر مقلدین کے اس اصول کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ابن عدیؒ کے نزدیک ابو زیدؒ ثقہ ہیں۔ پھر متابع میں امام ابو زرعہؒ [ثقہ] بھی موجود ہیں۔ لہذا یہ راوی مقبول ہے۔

(۴) ابراہیم بن ابی یحیؒ (م ۱۸۴ھ) ہیں جن کے بارے میں اہل حدیثوں کے محدث، مولانا عبد الرحمن مبارکپوریؒ اپنا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ان کی کسی حدیث کے استشہاداً ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **(القول السدید: صفحہ ۳۷)** یعنی اہل حدیث عالم مبارکپوری صاحب کے نزدیک، ابراہیم بن ابی یحیؒ کی روایت شاہد کے طور پر، سپورٹ کے طور ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہاں بھی ابراہیمؒ کی روایت شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے، تاکہ مسلم بن خالدؒ کی روایت اور بھی مضبوطی ہو جائے۔

(۵) محمد بن عبد الرحمٰن ابن ابی ذئبؒ۔

(۶) امام زہریؒ۔

(۷) ابو سلمہ بن عبد الرحمنؒ۔

(۸) ابو ہریرہؓ کا تذکرہ اوپر گزر چکا۔

لہذا ابراہیم بن ابی یحیؒ کی روایت مسلم بن خالدؒ کی حدیث کے لئے شاہد ہے، جس کی وجہ سے مسلم بن خالدؒ کی حدیث اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ الغرض یہ حدیث بھی حسن درجہ ہے۔ معلوم ہوا کہ گدّی پر مسح کرنا معتبر اور حسن احادیث سے ثابت ہے۔

(۲) امام عبد الکریم الرافعیؒ (م ۶۲۳ھ) نے گردن پر مسح کرنے کی روایت کو صحیح کہا ہے اور گردن مسح کو سنت قرار دیا ہے۔ **(الشرح الصغیر للرافعی بحوالہ بهجة المحافل**: جلد ۲: صفحہ ۲۹۸، **الشرح الکبیر للرافعی: جلد ۱: صفحہ ۴۳۴)**

(۳) الامام الجلیل احمد بن محمد المحاملیؒ (م ۴۱۵ھ) نے گردن پر مسح کو سنت کہا ہے۔ **(اللباب للمحاملی: صفحہ ۶۰)**

(۴) امام حسان بن محمد ابن العاصؒ (م ۳۴۹ھ) نے بھی گردن کے مسح کو سنت قرار دیا ہے۔ **(الحاوی الکبیر: جلد ۱: صفحہ ۱۳۳)**

(۵) فقیہ ابو الحسین یحیٰ بن ابی الخیر العمرانیؒ (م ۵۵۸ھ) نے گردن کے مسح کو مسنون کہا ہے۔ **(البیان للعمرانی: جلد ۱: صفحہ ۱۴۲)**

(۶) الامام الکبیر احمد بن ابی احمد الطبری ابو العباس ابن القاصؒ (م ۳۳۵ھ) نے گردن پر مسح کرنے کو سنت کہا ہے، اور علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق

(۷) امام ابو اسحٰق الشیرازیؒ (م ۴۷۶ھ) نے سکوت کے ذریعہ امام احمد الطبریؒ کی تائید کی ہے۔ **(کتاب المفتاح لابن القاص**، بحوالہ **المجموع: جلد ۱: صفحہ ۴۶۳، المہذب: جلد ۱: صفحہ ۴۴، انوار الطریق: ص ۸)**

(۸) الامام القاضی حسین بن محمدؒ (م ۴۶۲ھ) کہتے ہیں کہ **'أما مسح العنق لم تردد فیه سنة'** جہاں تک گردن پر مسح کی بات، تو اس کے سنت ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے۔ **(التعلیقة للقاضی حسین علی مختصر المزنی: جلد ۱: صفحہ ۲۷۸)**

(۹) الامام الفقیہ ابو سعد المتولی النیسابوریؒ (م ۴۷۸ھ) کہتے ہیں **'مُسْتَحَبٌ لَاسُنَّة'** گردن پر مسح کرنا مستحب ہے، سنت نہیں۔ **(المجموع: جلد ۱: صفحہ ۴۶۳)**

(۱۰) مشہور حافظ الحدیث، امام ابو محمد البغویؒ (م ۵۱۶ھ) بھی گردن کے مسح کو مستحب کہتے ہیں۔ **(التہذیب للبغوی: جلد ۱: صفحہ ۲۵۶)**

(۱۱) امام ابو حامد محمد الغزالیؒ (م ۵۰۵ھ) گردن پر مسح کرنے کو سنت کہتے ہیں۔ **(الوسیط الغزالی: جلد ۱: صفحہ ۲۸۸)**

(۱۲) امام عبد اللہ بن یوسف ابو محمد الجوینیؒ (م ۴۳۸ھ) بھی گردن کے مسح کو سنت ادب کہتے ہیں۔

(۱۳) امام الحرمینؒ (م ۴۷۸ھ) کو بھی اس کے سنت ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے۔ **(نہایة المطلب: جلد ۱: صفحہ ۸۳، ۱۱، المجموع: جلد ۱: صفحہ ۴۶۴)**

(۱۴) الامام الحافظ عبد الرحمٰن بن محمد الفورانیؒ (م ۴۶۱ھ) بھی مستحب کہتے ہیں۔ **(المجموع: جلد ۱: صفحہ ۴۶۴)**

(۱۵) امام ابو المحاسن الرویانیؒ(م ۵۰۲ھ) کہتے ہیں کہ '**وقال أصحابنا بخراسان: هو سنة**' ہمارے خراسان کے اصحاب نے کہا کہ گردن کا مسح سنت ہے۔(**بحر المذہب: جلد ا: صفحہ ۱۰۱**)

(۱۶) امام ابو البرکات عبد السلام ابن تیمیہؒ(م ۶۵۲ھ) نے اپنی کتاب المنتقیٰ میں باب باندھا ہے کہ '**باب مسح العنق**'۔(**المنتقیٰ: صفحہ ۷۶**) معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی گردن کا مسح کرنا چاہیے۔

(۱۷) الامام الحافظ ابو بکر السیوطیؒ(م ۹۱۱ھ) کے نزدیک بھی گردن کا مسح مستحب ہے۔(**الاشباہ والنظائر: صفحہ ۱۱۹**)

(۱۸) الامام الزاہد الشیخ عبد القادر الجیلانیؒ(م ۵۶۱ھ) گردن کے مسح کو سنت قرار دیتے ہیں۔(**غنیۃ الطالبین: صفحہ ۵۸**، ترجمہ غیر مقلد مبشر حسین لاہوری)

(۱۹) اسی طرح حافظ ابن الجوزیؒ(م ۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب '**اسباب الهداية**' میں۔

(۲۰) امام یحیٰ بن منصور ابن الصیرفیؒ(م ۶۷۸ھ)۔

(۲۱) امام ابو البقاء عبد اللہ بن حسینؒ(م ۶۲۶ھ) اور

(۲۲) امام عبد الرحمن ابن رزینؒ(م ۶۵۶ھ) نے اپنی کتاب '**شرح مختصر الخرقی**' میں گردن کے مسح کو مستحب قرار دیا ہے۔

بلکہ اپنی کتاب ' الخلاصہ ' میں کہتے ہیں کہ '**مَسْحُ العُنُقِ مُسْتَحَبٌّ على الأَصَحِّ**' گردن کا مسح سب سے صحیح قول میں مستحب ہے۔ (**الانصاف** بتحقیق عبد اللہ الترکی: جلد ا صفحہ ۲۹۱)

(۲۳) نیز، امام علی بن عقیل البغدادیؒ(م ۵۱۳ھ) نے اپنی '**التذكرة**' میں:

(۲۴) فقیہ حسن بن احمد ابن البناء البغدادیؒ(م ۴۷۱ھ) نے '**العُقَد**' میں:

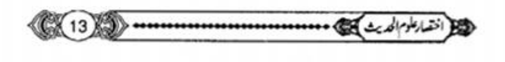
(۲۵) امام ابو عبد اللہ بن حمدونؒ(م ۶۹۵ھ) نے '**الافاضات**' میں اور:

(۲۶) الحافظ الناظم ابن ناصر الدینؒ(م ۸۴۸ھ) وغیرہ حضرات گردن کے مسح کو مستحب و پسندیدہ مانتے ہیں۔(**الانصاف** بتحقیق عبد اللہ الترکی: **جلد ا: صفحہ ۲۹۱**)

الغرض یہ تمام کے تمام فقہاء اور محدثین غیر حنفی ہیں[42] اور ان سب کے نزدیک گردن کا مسح سنت و مستحب ہے۔[43] لہذا بعض علماء اور غیر مقلدین کا اسے بدعت اور حرام کہنا باطل اور مردود ہے۔ اور دلائل کی روشنی میں، تحقیق اور یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ گردن کے مسح کی روایتیں حسن درجہ کی ہیں اور راجح یہی ہے کہ گردن کا مسح مستحب ہے۔ واللہ اعلم

---

[42] اہل حدیث غیر مقلدین کے نزدیک محض بعض علماء کے ساتھ شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی وغیرہ لکھا ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ ان ائمہ کے مقلدین ہیں۔ چنانچہ اہل حدیثوں کے محدث زبیر علی زئی لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے ساتھ شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی وغیرہ سابقوں یالا حقوں کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ یہ علماء مقلدین کی صف میں شامل تھے۔ **(جزء رفع الیدین ص:۱۱،۱۰)** ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ شافعی علماء یہ اعلان کرتے تھے کہ ہم شافعی علماء کے مقلد نہیں ہیں، بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے اور عالم کیونکر مقلد ہو سکتا ہے۔ **(اختصار فی علوم الحدیث مترجم ص:۱۳)** اسکین ملاحظہ فرمائے



اختصار علوم الحدیث

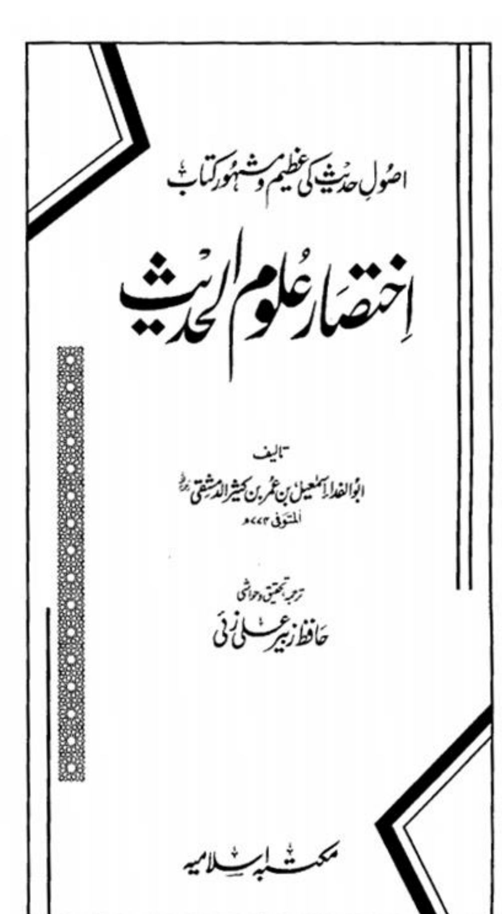
(آغازِ کتاب)

ہمارے اُستاذ امام علامہ، مفتی الاسلام قدوۃ العلماء شیخ المحدثین، حافظ مفسر، بقیۃ السلف الصالحین، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الشافعی[(۱)] جو شام کے محفوظ علاقے میں حدیث و تفسیر کے امام الائمہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کو وسعتیں عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں انھیں (ابن کثیر کو) اعلیٰ مقصود و مطلوب تک پہنچائے، نے (اپنی اس کتاب: اختصار علوم الحدیث میں) فرمایا:

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلام ہو ان بندوں پر جنھیں اس (اللہ) نے چُن لیا، امابعد: نبی ﷺ پر بہترین درود و سلام ہو، بے شک آپ کی حدیث کے علم پر قدیم و جدید دور میں جماعتِ محدثین مثلاً حاکم (نیشاپوری) اور خطیب (بغدادی) نے اور ان سے پہلے کے اماموں اور بعد والے حفاظِ حدیث نے پوری توجہ سے (تحقیقی) کلام کیا ہے۔

چونکہ علم حدیث تمام علوم میں اہم ترین اور نفع بخش ہے لہٰذا میں نے چاہا کہ اس میں ایک مختصر، نفع بخش، جامع اور مانع کتاب لکھوں۔ چونکہ شیخ امام علامہ ابو عمرو بن الصلاح (الشہر زوری) __ اللہ انھیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے __ کی بہترین جمع کردہ کتاب

(۱) الشافعی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حافظ ابن کثیر امام شافعی کے مقلد تھے، انھیں شافعی علماء کے پاس پڑھنے کی وجہ سے ان کے شاگرد نے شافعی لکھ دیا ہے۔ شافعی علماء یہ اعلان کرتے تھے کہ "ہم شافعی کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے۔" (دیکھئے التقریر والتحبیر ۳/۴۵۳، تقریرات الرافعی ۱/۱۱، اور النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر ص ۷) اور عالم کیونکر مقلد ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ تقلید کا مخالف بھی ہو، جیسے کہ حافظ ابن کثیر نے تقلید کا رد لکھا ہے۔
دیکھئے تفسیر ابن کثیر (اردو ج ۱ ص ۱۱۸) اور نور العینین (ص ۲۷)



معلوم ہوا کہ علماء کے نام کے ساتھ محض حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی آنے سے ان کا مقلد ہونا غیر مقلدین کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا۔ **لہذا یہاں پر جتنے بھی فقہاء اور محدثین کے حوالے ذکر کئے گئے ہیں، غیر مقلدین کے نزدیک یہ ان ائمہ فقہاء اور محدثین کی تحقیق اور اجتہاد ہے، نہ کہ ان کی مقلدانہ رائے۔**

[43] ان میں بعض نے اگرچہ نئے پانی کے ساتھ گردن پر مسح کرنے کا ذکر کیا ہے، لیکن بہر حال گردن کے مسح کو تسلیم کیا، پر دلائل کی روشنی میں غیر مقلدین کا اسے بدعت کہنا کسی بھی صورت میں مقبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔